

میری وحشتوں کو قرار دو

مصباح علی تارڑ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

میری وحشت کا کٹر فرار مصباح علی تارڑ



ٹرے میں کھانا رکھنے کے بعد وہ ٹرے اٹھا کر وہ شاہی لالہ کے کمرے کی طرف چلی آئی، ایشب علی خان جو بیڈ پہ دراز آنکھیں موندے لپٹے تھے، آہٹ کی آواز پر آنکھیں کھولیں تو زونیہ نظر جاتے ہی فوراً آنکھوں پہ بازو رکھ لیا تھا، ان کی اس حرکت پہ زونیہ کے لبوں پہ ایک زخمی سی مسکراہٹ بکھر گئی، وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے بہت ناراض ہیں پچھلے دو دن سے انہوں نے کھانا کھایا اور نہ ہی اس سے کوئی بات کی تھی۔

”لالہ انھیں کھانا کھالیں؟“ ٹرے بیڈ پہ رکھنے کے بعد ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے آہستہ سے ان کا بازو ہلایا تھا۔

”بھوک نہیں ہے مجھے۔“ انہوں نے انتہائی سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا، تو چند ثانیے وہ بس انہیں دیکھ گئی اس کی آنکھیں ایکدم نمکین پانیوں سے بھرنے لگی تھیں۔

”کیا مطلب بھوک نہیں ہے آپ نے پرسوں سے کچھ بھی نہیں کھایا ہے اور ویسے بھی آپ کی ناراضگی تو مجھ سے ہے کھانے سے تو نہیں، اس لئے پلیز لالہ تھوڑا سا کھالیں آپ کو نہیں پتہ آپ کے اس طرح کرنے سے مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔“ اس نے ایک بار پھر لالہ کی آنکھوں سے بازو ہٹاتے ہوئے کہا تو ایشب علی خان ایکدم غصے سے پھٹ پڑے تھے۔

”اچھا اپنی تکلیف کا بہت احساس ہے تمہیں لیکن جس تکلیف جس اذیت سے تم نے مجھے دو چار کر دیا ہے اس کا شاید اندازہ نہیں ہے تمہیں کیونکہ اگر ذرا بھی تمہیں میری تکلیف کا احساس ہوتا تو اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرتی تم۔“

”ایسا مت بولیں لالہ۔“ وہ شدت سے رو دی تو ایشب علی خان جو غصے سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے اسے اس طرح روتے دیکھ کر ان

مکمل ناول



کے دل کو کچھ ہوا تھا جیسی اس کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔

”زونی تم ایسا کیوں کر رہی ہو بیٹا! کیا کسی نے ایسا کرنے کے لئے تم پہ کوئی دباؤ ڈالا ہے، آئی مین بابا جان یا ماما نے، دیکھو اگر ایسی کوئی بات ہے تو پلیز مجھے بتاؤ ابھی تمہارا لالہ زندہ ہے۔“ ان کی آخری بات پہ زونیہ علی خان نے تڑپ کر انہیں دیکھا تھا۔

”اللہ نہ کرے لالہ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ اور پلیز لالہ آپ پریشان نہ ہوں یہ آپ کا وہم ہے کہ مجھے اس فیصلے کے لئے مجبور کیا گیا ہے ایسا کچھ نہیں ہے میں نے یہ فیصلہ اپنی مرضی سے لیا ہے۔“ اس نے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

”وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ ایسی کون سی قیامت آگئی تھی جو تم جاذل سے شادی کے لئے تیار ہو گئیں، فارگاڈ سیک زونی ابھی بھی وقت ہے انکار کر دو بابا جان کو کہ تمہیں جاذل سے شادی نہیں کرنی ہے، بولو کہو گی نا۔“ انہوں نے بہت آس سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح زونیہ کو اس کے اس فیصلے سے باز رکھیں ان کی بے بسی ان کی لہجے سے واضح طور پر عیاں ہو رہی تھی۔

”سوری لالہ میں ایسا نہیں کر سکتی۔“ اس نے آہستہ سے کہا تو اشب علی خان جو اس کے اس فیصلے سے پہلے ہی بہت دگر رفتہ تھے اس لمحے شدت سے ان کا جی چاہا تھا کہ سامنے بیٹھی اپنی جان سے پیاری بہن کا منہ پھڑوں سے سرخ کر دیں وہ کچھ پل غصے سے اس کی جانب دیکھتے رہے پھر دانت پیستے ہوئے بولے تھے۔

”بابا جان کا ایک اور بیٹا بھی تو تھا پھر تمہارے لئے جاذل ہی کیوں، مجھے تو لگتا تم

پاگل ہو چکی ہو ورنہ کوئی عقل مند اور ذی ہوش انسان تو ایسا فیصلہ نہیں کر سکتا۔“

”اوہو لالہ! آپ بھی نہ بس، جاذل لالہ بھی تو بابا جان کے ہی بیٹے ہیں نا اور پھر کیا خرابی ہے ان میں اتنے ہینڈ سم تو ہیں۔“ اس نے چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجاتے ہوئے لالہ کا موڈ خوشگوار کرنے اور ان پہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اپنے فیصلے پہ بہت خوش ہے، حالانکہ یہ صرف وہی جانتی تھی کہ اس نے کس طرح اپنے دل کو سمجھایا تھا اس رشتے کے لئے، اشب علی خان نے اس کی بات پہ گھور کر دیکھا تھا اس نے انہیں اس کی ہنسی زہر لگی تھی جیسی غصے سے تپ کر بولے تھے۔

”اس کے کروت بھی بڑے ہینڈ سم ہیں بالکل اسی کی طرح، سارا شہر جانتا ہے لیکن تم مجھے تو سمجھ نہیں آرہی کہ تمہیں ہو کیا گیا ہے زونی پلیز مت کرو ایسا اپنے ساتھ تم جانتی بھی ہو کہ وہ کتنا آوارہ اور عیاش ہے بہت بچھتاؤ گی تم، ابھی بھی وقت ہے انکار کر دو اس رشتے سے۔“ لالہ کی بات پہ وہ چپ چاپ بس انہیں دیکھ گئی اب بھلا وہ انہیں کیا بتاتی کہ اس نے جاذل سے شادی کا فیصلہ انہی کے لئے ہی تو کیا تھا ورنہ اس کا دل تو کسی اور کے ساتھ کا تمنائی تھا اس کی دھڑکنوں میں تو کوئی اور نام گونجتا تھا آنکھوں نے ہمیشہ کسی اور کے سینے دیکھے تھے اس نے بہت دقتوں سے اپنے دل کی تمنا کا گلا گھونٹا تھا اپنی دھڑکنوں کو سنھالا اور آنکھوں سے ان سینوں کو نوج ڈالا تھا جو بھی اس کا سب کچھ تھے اور پھر جاذل عمر خان کے ساتھ شادی سے انکار کر طرح کرتی کہ اس کا دل جس کے نام کی مالا جپہ تھا وہ تو بہت خاموشی سے اپنا راستہ بدل گیا تھا چاہتے ہوئے یا نا چاہتے ہوئے اس بات سے

زونیہ علی خان کو کوئی غرض نہ تھی اسے تو اب یہ دیکھنا تھا کہ اسے اس گھر میں رہنا تھا اپنے لالہ کے پاس ہمیشہ ہمیش کے لئے اور اس کے لئے اسے جاذل عمر خان جیسے شخص کا ساتھ بھی منظور تھا۔

☆☆☆

ذوہیب پورے پندرہ دن بعد دہلی سے لوٹا تھا وہ بزنس کے سلسلے میں گیا ہوا تھا لیکن اب واپسی پہ جو خیر اسے اسارہ بھابھی کے توسط سے ملی تھی اسے سننے کے بعد وہ کتنی دیر تک ساکت و صامت کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہا تھا۔

”یقین نہیں آ رہا نا، مجھے بھی بالکل ایسے ہی نہیں آ رہا تھا جب ماما کے ہاں سے آنے کے بعد میں نے سنا تھا لیکن پھر مجھے یقین کرنا پڑا جب زونیہ نے اپنے منہ سے اس بات کی تصدیق کی اور مجھے بھی اتنا ہی دکھ ہوا تھا جتنا اس وقت تم ٹیل کر رہے ہو، میں چاہتی ہوں ذوہیب تم ایک بار اسے سمجھاؤ مجھے پورا یقین ہے وہ تمہاری بات سمجھ جائے گی۔“ اسارہ بھابھی کیا کیا بولے جا رہی تھیں ذوہیب عمر خان کو کچھ سنا ہی نہ دے رہا تھا اس کا ذہن تو اس ایک فقرے میں اٹک گیا تھا کہ زونیہ نے خود اس بات کی تصدیق کی ہے اور وہ اپنے اس فیصلے سے بہت خوش ہے پھر اسارہ بھابھی تو چلی گئی لیکن وہ بے چین سا کمرے میں چکرانے لگا اس نے کن مشکلوں سے اپنی محبت کو دل کے کہاں خانوں میں چھپا کر خود پہ ضبط کے پھرے بٹھائے تھے لیکن اس خبر نے اسے پھر سے بے سکون کر دیا تھا، اسے لگ رہا تھا کہ زونیہ نے جاذل سے شادی کا فیصلہ صرف اور صرف اسے تکلیف اور اذیت دینے کے لئے کیا ہے، وہ اسے اذیت سے دو چار کرنے کے لئے اپنی زندگی داؤ پہ لگا دے گی، اسے ابھی تک یقین نہ آ

رہا تھا، لیکن اسے اس سے بات کرنا تھی اسے ایسا کرنے سے باز رکھنا تھا پھر کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

”ایکسکو زمی مسٹر ذوہیب عمر خان! آپ کو یہ حق کس نے دیا کہ آپ میرے انتہائی پرسنل معاملات میں انٹرفیر کریں، یہ میری زندگی ہے میں جیسے چاہوں اس میں شامل کروں آپ کو اس سے کیا۔“ ذوہیب کی بات پہ چہرے ناگواری کا سرد سا تاثر لئے اس نے انتہائی سخت لہجے میں کہا تو ذوہیب ایک لمحے کو چپ رہ گیا لیکن دوسرے ہی پل خود پہ قابو پاتے ہوئے اس نے دوبارہ سے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔

”لیکن زونیہ.....“ اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا وہ ایک قہر بھری نگاہ اس پہ ڈالنے کے بعد کمرے سے نکل گئی تو کتنے ہی پل ذوہیب کو یہ یقین کرنے میں لگے تھے کہ کیا یہ وہی زونیہ تھی جس کے لئے ذوہیب عمر خان کی ہر بات حکم کا درجہ رکھتی تھی لیکن اب شاید بہت کچھ بدل گیا تھا کچھ بھی ویسا نہ رہا تھا اور اس سب کی ذمہ دار رومیلا احسان تھی اس نے ذوہیب عمر خان کی ہستی بہتی زندگی میں آگ لگا دی تھی، اس لمحے ذوہیب کے اندر شدت سے اس خواہش نے سر اٹھایا تھا کہ رومیلا احسان اس کے سامنے ہو اور وہ اس کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دے کچھ دیر وہ وہاں کھڑا خود پہ قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر لاؤنج میں چلا آیا، گھر کے تقریباً سبھی افراد وہاں موجود تھے، ماما، بابا جان، رومیلا، اسارہ بھابھی اور جاذل، وہ خاموش سا قدرے تنے ہوئے نقوش کے ساتھ سنگل صوفے پہ بیٹھ گیا ابھی اسے بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی جب اسے ماما جان کی آواز سنائی دی تھی۔

”ذوہیب بیٹا! آج آپ کی زارا آنٹی کا

فون آیا تھا کہہ رہی تھیں کہ اب شادی کی ڈیٹ فکس کر دینی چاہیے، میں اور آپ کے بابا جان تو خود یہی چاہتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے۔“ انہوں نے بات کرتے کرتے آخر میں ذوہیب سے پوچھا تو بابا جان کی بات پہ کچھ فاصلے پہ بیٹھے جاذل عمر خان کی نگاہیں ذوہیب کے چہرے پہ جا ٹھہریں تھیں، ذوہیب چند ثانیے جامد تاثرات سمیت ماما جان کی جانب دیکھتا رہا کہ وہ کیسی ماں تھیں جنہیں اس کے جذبات اس کے احساسات کی کوئی پرواہ نہ تھی، کچھ دیر ان کی جانب دیکھنے کے بعد وہ انتہائی خشک لہجے میں یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

”اب تک جو کچھ ہوا ہے کیا وہ سب مجھ سے پوچھ کر ہوا ہے، میرے خیال میں میری مرضی کوئی اتنی اہمپورٹنس نہیں رکھتی ہے آپ کے لئے اس لئے جو آپ کا دل چاہیں کریں۔“ اس کے جواب پہ جہاں ماما جان بہت خوش ہوئیں تھیں کہ چلو جیسے بھی سہی اس نے شادی کے لئے ہاں تو کی وہیں کچھ فاصلے پہ بیٹھے جاذل خان کے بے حد وجہہ چہرے پہ ایک تاریک سا سایہ لہرا گیا تھا، ذوہیب کی مرضی کیا تھی یہ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا ابھی تو اذیت اور بے بسی کی ایک لہر نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا دونوں لبوں کو آپس میں پیوست کیے مٹھیاں بھینچتے وہ کچھ دیر خود کنٹرول کرتا رہا پھر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا، وہ اچھی دروازے پہ ہی پہنچا تھا کہ بابا جان کی گرج دار آواز سنائی دی تھی۔

”تم کہاں جا رہے ہو اس وقت؟“

”ار باز کی طرف۔“ اس نے پلٹے بغیر جواب دیا اور تیزی سے باہر نکل گیا اس کی اس حرکت پہ بابا جان غصے سے بل کھا کے رہ گئے تھے پھر ماما جان سے الجھنے لگے۔

”اسے اپنے الفاظ میں سمجھا دیں کہ یہ آوارہ گردی چھوڑ دے تو بہتر ہوگا کیونکہ اب میں اس کی یہ فضول حرکتیں قطعاً برداشت نہیں کروں گا۔“ ”اوہ عمر کیا ہو گیا ہے آپ کو، دوست کی طرف گیا ہے آجائے گا تھوڑی دیر میں، آپ تو خواخواہ نمبر لوز کرنے لگتے ہیں اور پھر اسی لئے تو کہتی ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے اس کی شادی کر دیں گھر میں بیوی ہوگی تو خود ہی چھوڑ دے گا یہ فضول دوستیاں، اور اب تو ذوہیب بھی مان گیا ہے میرا خیال ہے اب شادی کی ڈیٹ فکس کر دینی چاہیے۔“ ماما جان کی بات پہ بابا جان نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا، کیونکہ ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ ماما جان کچھ کہیں اور بابا جان ویسا نہ کریں، پھر بابا جان نے وہی بیٹھے ہوئے ہی احسان احمد کا نمبر ملا کر فون کان سے لگالیا۔

”احسان لالہ! ہم لوگ کل شادی کی ڈیٹ لینے آرہے ہیں۔“ سلام دعا کے بعد بابا جان نے اپنا مدعا بیان کیا تھا اور پھر اگلے دن وہ ماما جان کے ساتھ جا کے ڈیٹ فکس کر آتے تھے اگلے ماہ کی دو تاریخ کو ذوہیب کی بارات تھی اور طے یہ پایا تھا کہ جس دن ذوہیب کی بارات ہوگی اس دن شام کو زونہ کا نکاح جاذل سے ہوگا اگلے دن دونوں کے ویسے کا فنکشن اکٹھا تھا، اشہب علی خان کو پتہ چلا تو ان کا خون کھول کے رہ گیا تھا ان کی بہن کی شادی کی ڈیٹ ان سے پوچھتے ان سے مشورہ لیے بغیر طے کر دی گئی تھی وہیل چیئر کو بونہی کمرے میں ادھر ادھر گھماتے وہ کتنی دیر تک سلگتے رہے تھے لیکن پھر یہ سوچ کر جب کمرے سے اٹھے کہ جب ان کی اپنی بہن نے ان کی کسی بات کو اہمیت نہ دی تھی تو پھر وہ دوسروں سے کیا گھم کرتے، لیکن اندر ہی اندر وہ بے چین ہو گئے تھے اور ڈیٹ فکس ہونے کی خبر سن کر سکون تو زونہ علی

خان کا سکون بھی درہم برہم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ یونیورسٹی سے لوٹی تھی، جب اسما رہ بھا بھی نے اسے اس خبر کے ساتھ مبارکباد دی تھی تو وہ فق چہرے کے ساتھ کتنی ہی دیر بھا بھی کو دیکھے گئی آنکھوں کے گوشے خود بخود بھیگنے لگے تھے۔

”لگتا ہے تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔“ اسما رہ بھا بھی نے اس کے اڑے اڑے رنگ اور بھیگی ہلکوں کو دیکھتے ہوئے طنزاً استفسار کیا تھا۔

”نن..... نہیں تو مم..... میں بہت خوش ہوں۔“ بھیکے لہجے میں کہتے ہوئے وہ کچن سے باہر نکل گئی تو بھا بھی نے ایک نظر ساس پین میں ٹھوکتی چائے کو دیکھا تھا پھر کچھ سوچتے ہوئے چائے کو کپ میں چھانا اور اس کے کمرے میں پہلی آئیں، وہ سامنے ہی گھٹنوں پہ سر رکھے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

”یہ تمہاری چائے۔“ بھا بھی کی بات پہ بھی اس نے سر نہیں اٹھایا تھا، تو بھا بھی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

”کہا تھا نا کہ مت کر دیا، لیکن تم نے میری ایک نہیں سنی تو۔“

”پھر رو نے کا مطلب، جب سب کچھ طے ہو چکا ہے۔“ وہ جو اپنے بار بار اند آنے والے آنسوؤں کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی جھٹکے سے سر اٹھا کر بھا بھی کو دیکھا تھا پھر بھیکے لہجے میں بولی تھی۔

”تو پھر اور کیا کرتی بھا بھی اور کوئی راستہ بھی تو نہ تھا میرے پاس۔“ اس کی بات پہ بھا بھی کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

”کیوں نہیں تھا کوئی راستہ، تمہاری شادی

کہیں بھی کسی بھی اچھے سے لڑکے سے ہو سکتی تھی خداخواستہ تم کوئی لنگڑی نہیں ہو لیکن تم نے تو صرف ذوہیب کو اذیت دینے کے لئے یہ فیصلہ کیا ہے لیکن تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ ذوہیب تو اذیت میں رہے گا ہی لیکن جاذل کا عمر بھر کا ساتھ خود تمہارے اپنے لئے بھی ایک امتحان بن جائے گا۔“

”پتہ ہے مجھے آپ کے بتانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن میرے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا اس گھر میں اپنے لالہ کے ساتھ رہنے کے لئے مجھے یہ سب تو کرنا ہی تھا کیونکہ میں انہیں چھوڑ کے کہیں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی اور نہ ہی انہیں اس گھر کے مینوں کے رحم و کرم پہ چھوڑ سکتی ہوں اس گھر کے لوگوں کو ان سے کتنی محبت ہے مجھے اچھی طرح اندازہ ہے اشہب علی خان کی ذات اس گھر کے باقی افراد کے لئے ہوگی غیر اہم لیکن میرے لئے میرے لالہ بہت خاص ہیں۔“ بات کرتے کرتے اس نے اپنے گالوں پہ پھسلے آنسوؤں کو صاف کیا تھا اور پھر بھا بھی کی سمت دیکھ کر مزید گویا ہوئی تھی۔

”جہاں تک آپ کی اس بات کا تعلق ہے کہ میں سب ذوہیب کو اذیت دینے کے لئے کر رہی ہوں تو سن لیں کہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن ہاں اب آپ کے منہ سے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ وہ میرے اس فیصلے سے اذیت میں ہیں، چلو کم از کم انہیں بھی اتنا تو پتہ چلنا چاہیے کہ اذیت ہوتی کیا ہے۔“ آخر میں اس نے پھٹکی اور تلخ مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے کہا تو بھا بھی کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر باہر نکل گئیں۔

”کیوں دکھائے تھے مجھے اپنی محبت کے سنے ذوہیب عمر خان، میری آنکھوں کو اپنے سپنوں کا عادی بنا کر مجھے محبت کی راہوں میں

ہمسفر بنا کر آپ نے اپنے قدم واپس کیوں موڑ لئے۔ "بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر وہ ایک بار شدت سے پھر رو دی تھی اس بات سے بے خبر کہ اپنے کمرے بیڈ پہ اوندھے لیٹے ذوہیب عمر خان کے آنسو بھی دھیرے دھیرے اس کے تیکے کو بھگو رہے تھے۔

☆☆☆

احمد حسن خان کا تعلق بنیادی طور پہ پشاور سے تھا لیکن چونکہ ان کا بزنس اسلام آباد میں تھا اس لئے وہ اپنے دونوں بیٹوں عمر احمد خان اور علی احمد خان کے ساتھ اسلام آباد میں ہی رہائش پذیر تھے، کبھی کبھار اپنے آبائی گاؤں کا چکر لگا لیا کرتے تھے ان کی مسز کا انتقال علی احمد خان کی پیدائش پہ ہی ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اپنے بچوں کو ماں کی کمی کبھی محسوس نہ ہونے دی انہیں اپنے بیٹوں سے بہت محبت تھی۔

وہ ان دونوں کے لئے بالکل دوست کی طرح تھے، تعلیم مکمل کرنے کے بعد دونوں بھائیوں نے اپنے باپ کا بزنس سنبھال لیا تو احمد حسن خان ان کی شادیوں کے بارے میں سوچنے لگے، عمر احمد خان کو عام سے نقوش اور سانولی سی رنگت والی سائرہ جہانگیر پسند آگئی تو احمد حسن خان نے بنا کوئی اعتراض کیے اپنے بیٹے کے لئے اس کا ہاتھ بانگ لیا علی احمد خان کے لئے انہوں نے اپنی بھانجی پری وش کا انتخاب کیا تھا پری وش اپنے نام کی طرح بالکل پریوں جیسی ہی تھی، دونوں بھائیوں کی شادی اگٹھ ہی ہوئی شادی کے موقع پر رشتے دار خواتین کے پری وش کے لئے ستائشی کلمات (کہ علی احمد کی دلہن زیادہ خوبصورت ہے) نے سائرہ جہانگیر کے دل میں پری وش کے لئے نفرت سی پیدا کر دی تھی، وہ جب بھی پری وش کو دیکھتی اپنے معمولی صورت

ہونے کا احساس شدت سے اس پہ غالب آ جاتا اس کا رویہ پری وش سے بس لیا دیا سا ہی تھا جبکہ پری وش نے ہمیشہ اسے بڑی بہنوں والا مان اور عزت دی تھی، شادی کے سال بعد سائرہ کے ہاں روحیل نے جنم لیا تو گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، روحیل شکل و صورت اور رنگ و روپ میں بالکل باپ دادا پہ گیا تھا خوبصورت گورا چٹا گول منول روحیل سب کی توجہ کا مرکز تھا، روحیل ابھی دو ماہ کا تھا جب پری وش کے ہاں اشہب علی خان نے جنم لیا، وہ روحیل سے بھی زیادہ خوبصورت تھا، اشہب کے بعد کئی سال تک پری وش دوبارہ ماں نہ بن سکی جبکہ سائرہ نے مزید تین اولادوں کو جنم دیا تھا، عائشہ، جاذل اور ذوہیب، جب عائشہ پیدا ہوئی تو احمد حسن خان نے اس کا رشتہ اشہب سے طے کر دیا، عائشہ بیگم اندر ہی اندر بل کھا کے رہ گئیں لیکن سر کے سامنے بولنے کی ہمت نہ کر سکیں، اشہب علی خان میٹرک میں تھا جب پری وش ایک بار پھر امید سے ہوئیں، وہ بہت خوش تھیں اور رب سے بیٹی کی دعا کرتی تھیں انہیں بیٹی کی بہت خواہش تھی پھر رب نے ان کی دعا سن لی لیکن اس خواہش کی تکمیل میں وہ اپنی زندگی ہار گئیں، دوران زندگی پیچیدگی کی بناء پر وہ اللہ کو پیاری ہو گئیں تو علی احمد خان بھی اپنی محبوب بیوی کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکے، پری وش کی موت کی خبر سننے ہی ان کے دل کی دھڑکنیں کچھ اس طرح تھمیں کہ دوبارہ چل ہی نہ سکیں، احمد حسن خان بھی جوان بیٹے اور بہو کی موت کا دکھ دل میں لئے صرف چند ماہ ہی زندہ رہ سکے، پری وش کی بیٹی زونہیہ بالکل اپنی ماں کی کاپی تھی جو بھی اسے دیکھتا بے ساختہ کہہ اٹھتا تھا کہ ماشا اللہ کتنی پیاری بچی ہے تو سائرہ اندر ہی اندر جل کڑھ جاتیں کیونکہ ان کی بیٹی عائشہ

بالکل ان پہ گئی تھی ویسی ہی سانولی سی حالانکہ ان کے تینوں بیٹے بہت خوبصورت تھے، لیکن بیٹی کو دیکھ کر وہ کڑھ جاتیں کیونکہ جس طرح کے فقرے انہیں اور پری وش کو دیکھنے کے بعد بولے جاتے تھے، وہ اب زونہیہ اور عائشہ کو دیکھ کر بولے جاتے جس کی بنا پہ ان کا رویہ زونہیہ کے ساتھ عجیب سرد سا ہو گیا تھا، حالانکہ وہ دونوں بہن بھائی ان کی بہت عزت کرتے تھے، وہ دونوں ان کے بچوں کی دیکھا دیکھی انہیں ماما ہی کہتے تھے، لیکن سائرہ کے دل میں ان کے لئے صرف نفرت ہی تھی، زونہیہ کے دل میں ان کا خوف کچھ اس طرح بیٹھا تھا کہ کبھی اس سے رہائی حاصل نہ کر سکی، وقت کا پیہہ گھومتا رہا اور وہ میٹرک میں آگئی گھر میں روحیل لالہ اور اشہب لالہ کی شادی کی باتیں ہونے لگیں شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی تھی لیکن اوپر والے کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا شادی سے دو دن پہلے اشہب علی خان کا کارا ایکسڈنٹ ہو گیا جس میں وہ اپنی دونوں ٹانگوں سے محروم ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ویل چیئر پہ بیٹھ گئے تو سائرہ نے اس واقعہ کے دو ماہ بعد روحیل اور اسماہ بھابھی کی شادی کے ساتھ ہی عائشہ کو بھی اپنے بھتیجے صہارم کے ساتھ رخصت کر دیا اشہب علی خان عائشہ سے بہت محبت کرتے تھے وہ اپنے ساتھ پیش آنے والے حادثے پہ پہلے ہی بری طرح ٹوٹ چکے تھے، اب تو ان کا دل چاہتا تھا کہ خود کو ختم کر لیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے انہوں نے زونہیہ کے لئے خود کو سنبھال لیا تھا، اپنی اکلوتی بہن سے انہیں بے انتہا محبت تھی، زونہیہ بھی ان کے پاس بیٹھے ادھر ادھر کی باتوں میں ان کا دل بہلائے رکھتی سکول سے آنے کے بعد وہ سارا وقت ان کے ساتھ ہی رہتی سائرہ کے برعکس گھر کے باقی افراد کا رویہ اشہب اور زونہیہ کے ساتھ ٹھیک ہی تھا

روحیل لالہ اس کا بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح خیال رکھتے تھے، اسماہ بھابھی سے بھی اس کی جلد ہی دوستی ہو گئی تھی، وہ بھی اسے بہنوں کی طرح ہی چاہتی تھی، پھر جاذل عمر خان تھانندن سے حاصل کی گئی ماسٹرز ان اکنامکس کی ڈگری بھی اس کے اندر کے عیاش اور آوارہ منش انسان کو نہ سدھار سکی تھی، زونہیہ کی تو ہمت ہی نہ ہوتی تھی کہ اس سے بات کر لے اس کی بھوری چمکدار آنکھوں میں دیکھنے کی وہ بھی ہمت نہ کر سکی تھی اس نے بھی زونہیہ کو کبھی مخاطب نہ کیا تھا اور سب سے آخر میں سائرہ اور عمر احمد خان کا سب سے چھوٹا لاڈلا بیٹا ذوہیب عمر خان تھا وہ تو زونہیہ علی خان کا سب سے فیورٹ لالہ تھا، اشہب لالہ کے بعد وہ گھر میں سب سے زیادہ اٹیچ بھی اس سے ہی تھی، اس کو کوئی بھی کام ہوتا وہ بلا جھجک ذوہیب لالہ سے کہہ دیتی، وقت کچھ اور سرکا اور وہ کالج پہنچ گئی۔

سب کی محبتیں سمیٹنے والے ذوہیب عمر خان کا دل خود سے آٹھ سال چھوٹی دودھیا رنگت اور سبز گانچ سی آنکھوں والی زونہیہ علی خان کا کب اسیر ہوا اسے خبر ہی نہ ہو سکی، آفس سے آنے کے بعد اب اس کا زیادہ تر وقت اشہب لالہ کے کمرے میں ہی گزرنے لگا جہاں زونہیہ کی موجودگی یقینی ہوتی تھی، زونہیہ نے جب اس کے بدلتے جذبات و احساسات کو نوٹ کیا تو یہ جان کر کہ ذوہیب اسے پسند کرنے لگا ہے وہ شاکڈ رہ گئی تھی، ساتھ ہی اس کے اندر اس احساس نے بھی سراٹھایا تھا کہ اگر ماما جان کو پتہ چلا تو وہ اس کے بارے میں کیا سوچیں گی، وہ تو پہلے ہی ذوہیب کی زونہیہ سے انچنٹ کو پسند نہ کرتی تھیں یہ سوچ کر ہی زونہیہ کا دل بیٹھنے لگا تھا کہ اگر وہ ذوہیب کے دل کے راز سے آگاہ ہو گئیں تو نہ

جانے کیا ہو، اس کے بعد وہ ذوہیب سے کترانے لگی تھی، اس نے کبھی بھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی، اس کے گریز کو ذوہیب نے بھی نوٹ کر لیا تھا۔

☆☆☆

زونہ کا ایف ایس سی کا رزلٹ آیا وہ بہت اچھے مارکس سے پاس ہوئی تھی، ذوہیب اس کی شاندار کامیابی پر اسے خوبصورت سا گولڈ کالاکٹ گفٹ کیا تھا، اگرچہ وہ اس سے پہلے بھی ہر بار رزلٹ پر اسے کوئی نہ کوئی چیز گفٹ کرتا تھا اگر اسے یاد نہ بھی رہتا تو زونہ خود مانگ کر گفٹ لے لیتی تھی، لیکن اب اس نے ہاتھ آگے نہ بڑھایا تھا بلکہ چپ چاپ کھانا کھاتی رہی تو ذوہیب نے بہت حیران ہو کر پوچھا تھا۔

”کیا ہوا پسند نہیں آیا؟“ وہ بہت دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”آں! نہیں اچھا ہے۔“ زونہ نے ہاتھ بڑھا کر وہ لاکٹ لے لیا ایک گولڈ دائرے کے اندر بڑا سا زیڈ بنا ہوا تھا جس پر وائٹ نگ جڑے ہوئے تھے اس نے چپ چاپ وہ لاکٹ دوبارہ لاکٹ کیس میں رکھ دیا، چونکہ کھانے کی میز پر سب موجود تھے اس لئے وہ سب کے سامنے انکار بھی نہ کر سکتی تھی، لیکن بعد میں اس کے کمرے میں جا کر اس نے گفٹ واپس کر دیا تھا، ذوہیب بیڈ پر نیم دراز فون پر اپنے دوست سے بات کر رہا تھا جب وہ ہلکی سی دستک کے ساتھ اندر آئی تھی اس کے ہاتھ میں وہی لاکٹ کیس تھا جو کچھ دیر پہلے ذوہیب نے اسے دیا تھا۔

”سعد میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔“ کال ڈسکنیکٹ کرتے ہوئے اس نے بہت حیران نظروں سے زونہ کی جانب دیکھا تھا، لیکن وہ اس کی سمت دیکھے بغیر لاکٹ کیس کو

سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر واپس مڑ گئی تو وہ جھٹکے سے اٹھ کر سامنے آیا تھا۔

”زونہ کیا ہے یہ سب؟“ اس نے لاکٹ کیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”سوری ذوہیب لالہ میں یہ نہیں رکھ سکتی۔“ چہرے پر خفگی سجائے اس نے سختی سے جواب دیا تھا۔

”لیکن کیوں؟ زونہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ میں دیکھ رہا ہوں کافی دنوں سے تمہارا رویہ میرے ساتھ بہت خراب سا ہے اور یہ گفٹ تم کیوں نہیں لے سکتی اس سے پہلے بھی تو میں تمہیں ہر بار رزلٹ آنے پر کچھ نہ کچھ گفٹ کرتا ہوں تو پھر اب کیا ہوا ہے۔“ ذوہیب نے اسے مسلسل نظروں کی گرفت میں لیتے ہوئے پوچھا تھا لیکن وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر سائیڈ سے ہو کر باہر جانے لگی تو ذوہیب نے ایکدم اسے کلائی سے تھام کر روکا تھا۔

”کیوں کر رہی ہو تم میرے ساتھ ایسا؟“ اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے بے بسی سے دیکھا تھا زونہ کے رویے سے وہ بہت ہرٹ ہوا تھا، پچھلے بہت سے دنوں سے وہ اسے مسلسل انگور کر رہی تھی جو ذوہیب عمر خان سے بالکل برداشت نہ ہو رہا تھا، اب اس کا ضبط جواب دے گیا تھا بھی انتہائی بے بسی سے پوچھا تھا، تو زونہ نے جھٹکے سے کلائی چھڑائی تھی۔

”میں ایسا کیوں کر رہی ہوں یہ سوال آپ مجھ سے نہیں اپنے آپ سے پوچھیں تو زیادہ بہتر جواب ملے گا آپ کو، ویسے میں جو کر رہی ہوں وہ نظر آ گیا آپ کو اور جو کچھ آپ کر رہے ہیں وہ سب کیا ہے؟“ اس نے ذوہیب کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی خفگی سے دریافت کیا تھا تو ذوہیب جو اس کے خوبصورت چہرے کو مسلسل اپنی نظروں

کی گرفت میں لئے کھڑا تھا اس کی بات پر مسکراہٹ بے ساختہ اس کے لبوں کو چھو گئی تھی۔

”تھینک گاڈ تمہیں پتہ تو چلا کہ میں کیا کر رہا ہوں ورنہ میں تو یہ سوچ کر اتنا پریشان تھا کہ تم کیسی لڑکی ہو جسے ابھی تک میری محبت سمجھ میں نہیں آرہی ورنہ لڑکیاں تو اس معاملے میں بہت تیز ہوتی ہیں، ادھر کسی لڑکے کی نظروں کا رنگ بدلا ادھر لڑکی فوراً سمجھ گئی، بہر حال یہ جان کر بہت اچھا فیصلہ ہو رہا ہے کہ تم میرے جذبات سے بے خبر نہیں ہو، ورنہ میرے لئے تو بہت پر اہم ہو جاتی کیونکہ مجھے تو ڈائیاگ و غیرہ بھی بولنے نہیں آتے، ایچو نیلی میں فلمیں بہت کم.....“

”ذوہیب لالہ پلیز! بس کر دیں، نہیں تو میں بابا جان کو بتا دوں گی۔“ ذوہیب کی باتوں پر اس کے چہرے کا رنگ ایکدم سرخ پڑا تھا لیکن دوسرے ہی بل خود پہ کنٹرول کرتے ہوئے وہ چلائی تھی تو ذوہیب قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

”قسم سے یار ایسا کر دو تو یہ تمہارا مجھ پہ بہت احسان ہو گا کیونکہ بابا جان یہ لاکٹ تمہیں اپنے ہاتھوں سے پہنانے کا اہتمام کر دیں گے دیکھئے کتنا اچھا سین ہو گا وہ جب میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے لاکٹ پہناؤں گا اور وہ لمحہ ذوہیب عمر خان کی زندگی کا سب سے خوبصورت لمحہ ہو گا۔“ ذوہیب کی بات پر اس کے چہرے پر کئی رنگ پھلے تھے وہ نگاہیں جھکائے وہاں سے نکلنے لگی تو ذوہیب نے ایک بار پھر اس کی کلائی تھام کر روکا تھا۔

”ایک منٹ پلیز۔“ پھر اس کا ہاتھ تھامے ہوئے سائیڈ ٹیبل تک آیا اور جھک کر لاکٹ کیس اٹھالیا۔

”اگر تم نے یہ لاکٹ نہ پہنا تو پھر واقعی مجھے بابا جان سے بات کرنا پڑے گی اور تم اچھی طرح

جانتی ہو کہ بابا میری کوئی بات نہیں مالتے ہیں۔“ لاکٹ کیس اس کے سامنے کرتے ہوئے وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا تو وہ اس کی دھمکی سے ڈر گئی تھی کہ کہیں وہ سچ میں بابا جان سے بات نہ کر لے اس لئے تیزی سے جھپٹنے والے انداز میں لاکٹ کیس لیا اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا۔“ ”دماغ نہیں دل۔“ ذوہیب نے پیچھے سے ٹکڑا لگایا اور قہقہہ لگا کر ہنس دیا، کمرے میں آنے کے بعد بھی کتنی دیر تک ذوہیب کی باتیں اس کے دماغ میں گھومتی رہی تھیں آج نیند جیسے آنکھوں سے روٹھ گئی تھی وہ سر جھٹک کر آنکھیں بند کرتی تو دوش راتی آنکھیں چھمن سے دھیان کے پردے پہ آٹھرتی تھیں، پھر اس کے تمام تر احتجاج کے باوجود اس کے دل نے ذوہیب عمر خان کی محبت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔

☆☆☆

اگلے دن ناشتے کی ٹیبل پر ذوہیب سب سے لیٹ پہنچا تھا، ٹیبل پر صرف اسارہ بھا بھی اور زونہ ہی تھیں، باقی لوگ ناشتہ کر کے جا چکے تھے۔

”گڈ مارننگ لیڈیز۔“ اس نے زونہ کے بالکل سامنے والی چیر پر بیٹھتے ہوئے کہا تو زونہ نے ایک نظرا سے دیکھنے کے بعد نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

”کیا بات ہے دیور جی آج آپ لیٹ کیوں ہو گئے؟“ اسارہ بھا بھی نے چائے کا تھرماس اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”ہاں رات کو نیند نہیں آرہی تھی لیٹ سویا تھا اس لئے صبح جلد آنکھ نہیں کھل سکی۔“ اس نے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

”خیریت تو ہے نا دیور جی یہ آپ کی

غیندوں کو کیا ہو گیا، کہیں کسی نے چرا تو نہیں لیں۔“ بھابھی نے شرارت سے دریافت کیا تو ذوہیب نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

”دوسرے سے بھابھی کتنی سمجھدار ہیں نا آپ، کتنا ٹھیک سمجھی ہیں اور ایک لوگ ہیں راتوں کی غیندیں اڑا کر بھی انہیں کوئی پرواہ ہی نہیں ہماری۔“ بھابھی سے کہتے کہتے اس نے نظریں زونہیہ پہ نکا دیں لیکن اگلے ہی لمحے دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا جب نظر اس کے چہرے سے ہوتی ہوئی اس لاکٹ پہ جا بھری تھی جو اس نے اسے رات دیا تھا۔

”بھینکس۔“ اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولا تھا۔

”بھینکس فار واٹ۔“ اسارہ بھابھی نے حیران ہو کر پہلے ذوہیب اور پھر زونہیہ کو دیکھا تھا تو وہ مسکرا دیا۔

”آپ نہیں سمجھیں گی جن سے بولا وہ جانتے ہیں کہ کس لئے۔“ اس کی نظریں مسلسل زونہیہ کے چہرے پہ لگی تھیں، زونہیہ اسارہ بھابھی کی موجودگی میں اس کی باتوں سے اس قدر کنفیوژ ہوتی تھی کہ کرسی پیچھے دھکیلتے ہوئے باہر نکل گئی۔

”ارے اسے کیا ہوا ہے؟“ بھابھی نے مسکرا کر ذوہیب کی طرف دیکھا تھا تو اس نے ہنستے ہوئے انہیں رات لاکٹ والا سارا واقعہ سنا دیا ذوہیب کی بات سن کر بھابھی نے مسکراتے لبوں کی مسکراہٹ کچھ اور بڑھ گئی تھی لیکن دوسرے ہی بل کچھ یاد آنے پہ انہوں نے سنجیدہ نظروں سے ذوہیب کی طرف دیکھا تھا۔

”لیکن ذوہیب تمہارا کیا خیال ہے ماما وہ سب ہونے دیں گی جو تم چاہ رہے ہو، آئی مین زونی سے تمہاری شادی ان کی زونہیہ کے لئے ناپسندیدگی تم سے پوشیدہ تو نہیں ہے۔“ بھابھی کی

بات وہ ایک ٹائیے کو پریشان ہوا تھا کیونکہ زونہیہ کے ساتھ ماما جان کے سرخ رویے سے وہ اچھی طرح واقف تھا، لیکن کچھ بل میں اس نے سر جھٹک کر اس سوچ سے پیچھا چھڑایا تھا۔

”تو ابھی شادی کون کر رہا ہے بھابھی، ابھی تو اس کی تعلیم مکمل ہونے میں کافی ٹائم ہے جب وقت آئے گا تو دیکھی جائے گی اور جہاں تک ماما کے نہ ماننے کا تعلق ہے تو آپ جانتی ہیں کہ وہ اپنے لاڈلے بیٹے کی کوئی بات نہیں ٹالتی ہیں۔“ اس نے کالر جھاڑتے ہوئے انتہائی فخر سے کہا تھا اس بات سے بے خبر کہ آنے والے وقتوں میں اس کا یہ فخر بہت بری طرح ٹوٹنے والا ہے، وقت پر لگا کر اڑا اور تین سال مزید بیت گئے شاید وقت کو بھی یہ دیکھنے کی بہت جلدی تھی کہ ذوہیب عمر خان کی ماں کی عدالت میں جیت اس محبت کی ہوتی ہے جو انہیں اپنے لاڈلے بیٹے سے تھی یا اس نفرت کی جو وہ عرصہ سے زونہیہ علی خان سے کرتی چلی آ رہی تھیں اور پھر وہ وقت بھی آ گیا۔

☆☆☆ وہ آفس میں بہت اہم فائل کھولے بیٹھا تھا جب ماما کی کال آئی تھی کہ وہ رومیلہ کو لینے ائر پورٹ چلا جائے، رومیلہ (ماما جن کی اکلوتی بھانجی) ان لوگوں کو سر پرانز دینے کے چکر میں انفارم کے بغیر لندن سے آئی تھی اور ائر پورٹ پہ آ کے فون کیا تھا کہ آ کر اسے لے جائیں، ذوہیب چونکہ بہت بڑی تھا اس لئے فوراً انکار کر دیا۔

”ماما جان میری آج بہت اہم میٹنگ ہے اس لئے پلیز آپ جاذل سے کہہ دیں کہ وہ رومیلہ کو لے آئے۔“

”ہاں جاذل تو جیسے میرے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا رہتا ہے نا ہر وقت، وہ رات کو نہیں ملتا گھر

میں تم دن کی بات کرتے ہو۔“ ذوہیب کہ صاف انکار پہ ماما کا موڈ برہم ہوا تھا۔

”اوہو ماما گاڑی ہے نا گھر میں ڈرائیور کو بھیج دیں اس میں غصہ ہونے والی کون سی بات ہے۔“ اس نے ماما کا موڈ بگڑتے دیکھ کر نئی تجویز پیش کی تو وہ ماما جان تو گویا غصے سے پھٹ پڑی تھیں۔

”غضب خدا کا بیٹی اتنی دیر سے ائیر پورٹ پہ بیٹھی فون پہ فون کر رہی ہے اور تم ہو کہ..... بس تجھے نہیں پتا میٹنگ کا جلدی جاؤ اور لے آؤ اسے۔“ ماما جان نے حکم صادر کرتے ساتھ ہی فون کاٹ دیا تو وہ غصے سے بیچ و تاب کھا کر رہ گیا، میٹنگ شروع ہونے میں صرف پندرہ منٹ باقی تھے اور اتنے کم وقت میں وہ آفس سے ائیر پورٹ، ائیر پورٹ سے گھر اور گھر سے دوبارہ آفس نہیں آ سکتا تھا اور ماما جان کا حکم نہ ماننے کا مطلب بھی اچھی طرح جانتا تھا اس لئے اس کا غصہ دیکھنے لائق تھا، وہ انتہائی خراب موڈ میں ائیر پورٹ پہنچا تو وہاں رومیلہ احسان نامی مخلوق کو دیکھ کر اس کا خراب موڈ مزید بگڑ گیا، سیولیس انتہائی شارٹ شرٹ، ٹائٹ سی جینز دوپٹہ یا اسکارف نامی کسی بھی چیز کے بنا وہ واقعی لندن کی پیداوار لگ رہی تھی ذوہیب نے کینہ تو نظروں سے انتہائی واہیات حلیے میں کھڑی اپنی اس کزن کو دیکھا تھا جس سے وہ زندگی میں پہلی بار مل رہا تھا، پھر گھر تک اس نے دوبارہ اس پہ نظر ڈالنا گوارا نہ کیا تھا اگرچہ رومیلہ سارا راستہ اس کے کان کھاتی رہی لیکن ذوہیب نے جواب میں ہوں ہاں کے علاوہ کوئی بات نہ کی تھی، اس کا مزاج اس قدر برہم تھا کہ اس نے انکل، آنٹی کا بھی نہ پوچھا تھا۔

”لو آؤ میری سہیلی۔“ رومیلہ نے اپنے

اس اکھڑ مزاج کزن کو دیکھتے ہوئے کمٹنس پاس کیا جس پہ پہلی نظر ڈالنے پہ ہی اس نے اپنی ہارٹ بیٹ ٹمس کی تھی ذوہیب اس کی بار بھی کچھ نہ بولا تھا، چونکہ دار نے گیٹ واک کیا تو وہ گاڑی اندر لے آیا۔

”زرگل گیٹ بند نہیں کرتا، بی بی کا سامان گاڑی سے نکالو اور انہیں اندر لے جاؤ۔“ رومیلہ جو گاڑی سے اترنے کے بعد ستائشی نظروں سے جدید انداز میں بنے بڑے سے گھر اور سرسبز پودوں سے سج و سج لان کو دیکھ رہی تھی اس کی بات پہ مڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا جو ہنوز ڈرائیونگ سیٹ پہ برجمان تھا۔

”آپ اندر نہیں آئیں گے۔“ ”نہیں میری میٹنگ ہے میں آل ریڈی کافی لیٹ ہو چکا ہوں۔“ اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا اور زرگل کے سامان نکالتے ہی گاڑی ریورس کر کے کھلے گیٹ سے نکال لے گیا تو رومیلہ چند ٹائیے اس کے اس قدر خشک رویے پہ غور کرنے کے بعد کندھے اچکا کر اندر کی طرف بڑھ گئی، ماما جان رومیلہ کو ساتھ لپٹائے کتنی دیر تک پیار کرتی رہیں پھر رومیلہ سے یہ سن کر وہ اور بھی خوش ہوئیں تھیں کہ رومیلہ کے پیرٹنس نے مستقل پاکستان شفٹ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ لوگ بھی ایک مہینے تک آنے والے ہیں تب تک رومیلہ ان کے ہاں رہے گی، اسارہ بھابھی اور زونہیہ نے اسے دیکھنے کے بعد ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے بھی کیے تھے۔

”اچھا بیٹا! آپ فریش ہو لو باقی باتیں کھانے پہ ہوں گی، اسارہ رومیلہ کو کمرے میں لے جاؤ۔“ رومیلہ سے کہتے ہوئے ماما جان نے ساتھ ہی اسارہ بھابھی کو آواز دی تھی۔

”بھابھی یہ عجوبہ ہمارے گھر میں رہے گا۔“ جس وقت اسارہ بھابھی رومیہ کو کمرے میں چھوڑ کر کچن میں آئیں تو سلا دہنائی زونہ نے مسکرا کر دریافت کیا تھا۔

”ظاہر ہے جب تک اس کے والدین نہیں آجاتے تب تک۔“ بھابھی بھی ہنس دی تھیں۔ پھر رومیہ احسان تقریباً ڈیڑھ ماہ وہاں رہی تھی اور اس ڈیڑھ ماہ میں اس نے ذویہب عمر خان کو اپنی زلفوں کا اسیر بنانے کے لئے ہر حربہ آزمایا تھا لیکن ہر بار اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ جڑ جاتی۔

”سمجھتا کیا ہے یہ خود کو۔“ اور جب وہ اسے زونہ کے ساتھ بڑے فریش موڈ میں بات کرتے دیکھتی تو اس کے اندر آگ سی لگ جاتی تھی وہ زونہ کے لئے ذویہب کی پسندیدگی سے آگاہ ہو چکی تھی، اپنے پیرنس کے پاکستان آنے پہ وہ اپنے گھر چلی گئی۔

”رومیہ چندا کچھ دن اور رک جاؤ نا ادھر۔“ جب وہ جانے لگی تو ماما جان نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

”ارے مائی سویٹ خالہ، اگر میرا بس چلے نا تو ہمیشہ کے لئے رہ جاؤں آپ کے پاس لیکن کیا کروں مجبوری ہے کیونکہ آپ کا وہ سڑیل بیٹا تو گھاس بھی نہیں ڈالتا مجھے۔“ اس نے ان کے کان کے قریب سرگوشیانہ لہجے میں کہا تو ماما جان نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بہت دھیان سے دیکھا تھا ایک اداسی سی چھائی تھی اس کے چہرے پہ۔

”کون ذویہب!“ ماما جان کے پوچھنے پہ رومیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تو ماما جان ایک لمبے لمبے سانس لے کر بولیں وہ ذویہب کا راز کچھ سمجھ جاتی تھیں ان کی نگاہ اسارہ بھابھی کے ساتھ

کھڑی زونہ پہ جاٹھری تھی۔ ”جو یہ لڑکی چاہتی ہے وہ تو میں کبھی نہیں ہونے دوں گی۔“ انہوں نے انتہائی نفرت سے دل میں سوچا تھا پھر رومیہ کو ساتھ لگائے باہر نکل آئیں۔

”ارے میری جان اداس نہیں ہوتے، بس اب تم بے فکر ہو جاؤ اور جا کہہ دینا اپنی ماما سے کہ تمہیں رخصت کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔“ انہوں نے ایک بار پھر اس کا ماتھا چومنا تھا تو رومیہ بے یقینی سی انہیں دیکھنے لگی۔

”کیا ایسا ممکن ہے؟ آئی مین آپ کا بیٹا تو کبھی نہیں مانے گا کیونکہ وہ تو.....“

”ارے بیٹا تو کیا بیٹے کا باپ بھی مانے گا۔“ ماما جان نے مسکرا کر اس کی بات کاٹی تھی۔

”خالہ جانی سوچ لیں یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔“ رومیہ نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا تو وہ مسکرا دیں۔

”اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔“ پھر انہوں نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا جب انہوں نے رومیہ کے سسلے میں اپنے شوہر سے بات کی تو ایک لمحے کو عمر احمد خان چپ سے ہو گئے تھے وہ اپنے بیٹے کے دل کے حال سے واقف تھے۔

”بٹ بیگم ذویہب نہیں مانے گا آئی حنک وہ زونہ میں انٹرنلڈ ہے۔“

”جانتی ہوں میں۔“ زونہ کے ذکر پہ ماما جان کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

”جانتی ہیں اس کے باوجود یہ سب کہہ رہی ہیں۔“ عمر احمد خان نے قدرے غصے سے اپنی شریک حیات کو دیکھا تھا کیونکہ ان کی اپنی خواہش تھی کہ زونہ کی شادی ذویہب سے ہو، اس لئے اب اپنی بیگم کی بات ان کو بالکل اچھی نہ لگی تھی۔

”عمر پلیز اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ

مجھے ذویہب کے جذبات کا احساس نہیں تو ایسا ہر گز نہیں ہے اور پھر آپ یہ مت بھولیں کہ ذویہب کے علاوہ ہمارا ایک اور بیٹا بھی کھوارا ہے جسے باہر سے تو کیا خاندان کا کوئی بندہ بھی اپنی بیٹی نہیں دے گا اور اگر کسی نے انجانے میں دے بھی دی تو وہ اس کے ساتھ چار دن نہیں ٹکے گی، اس لئے میں سوچ رہی تھی کہ اگر زونہ کی شادی جاذل سے ہو جائے تو.....“ ماما جان کی بات پہ عمر احمد خان کی پیشانی سلونوں سے بھر گئی تھی، انہوں نے بہت تاسف سے اپنی بیگم کی طرف دیکھا تھا۔

”خدا کا خوف کریں بیگم، کچھ اندازہ ہے آپ کو کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔“

”بہت اچھی طرح اندازہ ہے مجھے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں اور آپ بھی یہ ذہن میں رکھیے گا کہ جاذل کو کوئی بھی اپنی بیٹی دینے والا نہیں تو کیا ہم اس کی شادی ہی نہیں کریں گے لیکن عمر اس طرح تو وہ اور بگڑ جائے گا اور اگر خداخواستہ خود ہی اٹھا لایا کوئی ایسی ویسی تو..... آپ جانتے بھی ہیں کہ اس کی دوستیاں کس قسم کی لڑکیوں سے ہیں۔“ ان کی بات پہ عمر احمد خان کچھ ہل سوچنے پہ مجبور ہو گئے تھے، انہیں اپنی بیگم کی بات کچھ حد تک درست لگی تھی کیونکہ جس قسم کی سرگرمیاں جاذل کی تحسین انہیں دیکھتے ہوئے کوئی بھی خاندانی آدمی تو اسے بیٹی دینے سے رہا، اس لئے وہ سوچنے پہ مجبور ہو گئے تھے۔

”میرا نہیں خیال کہ اشہب مانے گا۔“ کافی دیر بعد وہ بر سوچ انداز میں بولے تھے۔

”لیکن میرے خیال میں وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں ہے، اس کی بہن کا اس گھر میں اس کے پاس رہنا کتنا ضروری ہے یہ بات وہ اچھی طرح جانتا ہے۔“ پھر ہمیشہ کی طرح انہوں نے نہ

صرف عمر احمد خان کو قائل کر لیا تھا بلکہ اپنی بہن کے ہاں جا کر رومیہ کا رشتہ بھی مانگ لیا تھا، زارا جہانگیر بیٹی کی پسند سے واقف تھیں سو فوراً ہاں کر دی ذویہب کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔

”نہیں ہر گز نہیں ماما، میں رومیہ سے شادی نہیں کروں گا آپ اتنا بڑا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کیسے کر سکتیں ہیں۔“ اسے تو یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ کھانے پینے سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی بات کے لئے اس کی پسند اور نہ پسند کا دھیان رکھنے والی اس کی ماں نے اتنا بڑا فیصلہ اس کی مرضی جانے بغیر کیسے کر لیا۔

”کیوں، کیوں نہیں کر سکتی میں یہ فیصلہ، ماں ہوں میں تمہاری حق ہے مجھے تمہیں جہنم دیا ہے، پالا پوسا بڑھایا کیا اس دن کے لئے کیا تھا یہ سب میں نے کہ تم اس طرح بدتمیزی سے بات کرو مجھ سے۔“ انہوں نے اسے ایموشنل بلیک میل کرنے کے لئے بھیکے لہجے میں کہا تو ذویہب نے بہت بے بسی سے انہیں دیکھا تھا۔

”میں یہ کب کہہ رہا ہوں آپ مجھ پہ حق نہیں رکھتیں لیکن ماما.....“

”بس مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننا ہے تم کان کھول کے سن لو کہ تمہاری شادی رومیہ سے ہی ہوگی، زبان دے چکی ہوں میں اپنی بہن کو، رشتہ طے ہو چکا ہے اور اب یہ رشتہ ختم کرنے کا مطلب میرا اپنی بہن سے ہر تعلق ہر رشتہ ختم اور اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں اپنا دودھ بھی معاف نہیں کروں گی۔“ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر قطعی انداز میں کہا اور کمرے میں چلی گئیں، تو ذویہب نے بے بسی سے بابا جان کی طرف دیکھا تھا جو صوفے پہ بیٹھے ساری کارروائی بہت خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔

”بابا جان پلیز! آپ ماما کو سمجھائیں کہ ایسا نہیں کریں وہ میرے ساتھ، بابا جان بولیں پلیز آپ بات کریں گے نا ان سے۔“ اس نے بہت آس سے بابا جان کو دیکھا تھا۔

”سوری بیٹا اب کچھ نہیں ہو سکتا بات طے ہو چکی ہے، خاندان کا معاملہ ہے انکار کرنا اب اتنا آسان نہیں ہے۔“ بابا جان نے اس کے پھپکے پڑتے چہرے کو صرف ایک نظر دیکھا تھا اور پھر اٹھ کر چلے گئے تو حیران سا انہیں جاتا دیکھتا رہ گیا، بابا جان اگر کبھی اس کی کوئی بات رد کر بھی دیتیں تھیں تو بابا نے ہمیشہ اس کی ہر خواہش کو پورا کیا تھا اور اب وہ گنگ بیٹھا تھا کہ بابا جنہوں نے ہمیشہ ہر معاملے میں اس کا ساتھ دیا تھا اب جب اس کو اپنی زندگی کے سب سے اہم معاملے میں ان کی ضرورت تھی تو انہوں نے کیسے نگاہیں جبرالی تھیں، اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر صوفے سے ٹیک لگا لی، ماں باپ کا یہ روپ اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا، وہ ان کے اس رویے کا کہاں عادی تھا بھی تو اب اس کی آنکھیں گرم پانیوں سے بھرنے لگی تھیں، دونوں ہاتھوں کی پوروں سے آنکھوں کو بے دردی سے رگڑتے ہوئے وہ سیدھا ہوا تو نگاہ سامنے میٹھیوں کے سب سے نچلے زینے پہ کھڑی زونہ پر پڑی جس کے آنسو اس کے چہرے کو بھگور رہے تھے، اسے اس طرح آنسو بہاتے دیکھ کر اس کے بے جان وجود میں ایک دم حرکت ہوئی تھی۔

”زونی!“ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتا وہ روتے ہوئے میٹھیوں جڑھ کر کمرے میں بند ہو گئی، ذوہیب کے بار بار ناک کرنے پہ بھی اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا، تو وہ پریشان سا اسارہ بھا بھی کے کمرے میں چلا آیا۔

”بھابھی پلیز آپ جا کے سمجھائیں اسے، وہ بہت جذباتی ہے مجھے ڈر ہے کہ نہیں وہ اپنے ساتھ کچھ کر نہ لے۔“ اس کی بات پہ بھابھی فوراً باہر کو لپکی تو اس نے پیچھے سے آواز دی تھی۔

”بھابھی اسے کہیے گا کہ وہ پریشان نہ ہو کیونکہ جو ماما جان چاہتی ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہونے والا۔“ اس نے مضبوط لہجے میں کہا تو بھابھی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئیں، مگر اس کا کہا غلط ثابت ہوا تھا کیونکہ دو دن بعد اس نے خود اپنے ہاتھوں سے رومیلا احسان کو منگنی کی انگٹھی پہنائی تھی وہ آنس میں تھا جب اس کے موبائل پہ ماما جان کی کال آئی تھی، انہوں نے جو کچھ اس سے کہا تھا اسے سننے کے بعد وہ کتنی دیر تک ساکت کھڑا رہا تھا زارا خالہ کے گھر پہ اس کی اور رومیلا کی منگنی کا فنکشن تھا تمام مہمان آچکے تھے اب صرف اس کا انتظار ہو رہا تھا ماما جان نے کہا تھا کہ اگر وہ نہ آیا تو ان کا مرا ہوا منہ دیکھے گا، پھر وہ ہار گیا، ذوہیب عمر خان نے اپنی ماں کی ضد کے آگے اپنی محبت ہار دی اس نے وہ سب کر دیا جو اس کی ماں چاہتی تھی لیکن ایسا کرتے ہوئے اس کا دل لہو لہو ہوا تھا وہ اس کے بعد جیسے ہنسنا بھول گیا تھا، وہ زونہ کا سامنا کرنے کے خوف سے گھر ہی نہ آتا تھا یوں ہی آدھی آدھی رات تک سڑکوں پہ گاڑی دوڑائے جاتا، اسارہ بھابھی اسے دیکھتی تو ان کا دل کڑھ کر رہ جاتا، زونہ کو بھی اس کے بعد ایک چپ سی لگ گئی تھی، وہ یونیورسٹی سے آنے کے بعد سارا وقت اپنے کمرے میں بند رہتی تھی، وہ جانتی تو تھی کہ ماما جان اس کو پسند نہیں کرتیں مگر ذوہیب عمر خان کی محبت پہ اس نے آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا تھا اور اب جب آنکھیں کھلیں تھیں تو کچھ بھی نہ بچا تھا، ان دونوں کی حالت کو دیکھتے ہوئے خاص کر ذوہیب کو دیکھ

کر بابا جان کا بھی دل تڑپ اٹھتا تھا انہیں لگتا کہ انہوں نے اس کے ساتھ بہت غلط کر دیا ہے لیکن اب وہ کچھ بھی تو نہیں کر سکتے کیونکہ اب بات بہت آگے بڑھ چکی تھی، پھر ماما جان نے شادی کی بات کی تو وہ بھڑک اٹھا تھا۔

”اب کس چیز کا خوف ہے آپ کو جو آپ چاہتی تھیں وہ ہو گیا، خدا کے لئے مجھ پر رحم کھائیں تھوڑا ٹائم دیں مجھے اور بے فکر رہیں وہی کروں گا جو آپ چاہتی ہیں۔“ ان کے سامنے رک کر اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تھا اور باہر نکل گیا تو بابا جان کو شاید اس پہ رحم آگیا تھا بھی انہوں نے ماما جان سے کہا تھا۔

”بیگم اب اسے مزید تنگ نہ کریں صحیح کہتا ہے وہ اسے تھوڑا ٹائم دیں ویسے بھی اس کی اور جاذل کی شادی ایک ساتھ کریں گے اور اس کے لئے ابھی ہمیں اشہب سے بھی بات کرنا ہے۔“ ان کی بات پہ ماما جان نے سر کو اثبات میں ہلا دیا لیکن انہوں نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ زیادہ دیر نہیں کریں گی انہیں ہر ٹائم ذوہیب کی طرف سے ایک دھڑکا لگا رہتا تھا، پھر یہ سوچ کر خود کو مطمئن کر لیتی کہ زونہ کا رشتہ جاذل سے طے ہونے کے بعد وہ رومیلا سے شادی کے لئے ہاں کر دے گا اس لئے کچھ دن بعد ہی انہوں نے اشہب علی خان سے زونہ اور جاذل کی شادی کی بات کی تھی لیکن اشہب خان نے ان کی بات سننے کے بعد انتہائی سختی سے انکار کر دیا تھا، لیکن بابا جان نے پھر بھی ان کو سوچنے کا ٹائم دیا تھا۔

”تم اچھی طرح سوچ لو اشہب، کیونکہ ہم یہ تمہاری بھلائی کے لئے ہی کہہ رہے ہیں، ابھی تک تو ٹھیک ہے اسارہ اچھی عادت کی ہے، تمہارا بالکل ویسے ہی خیال رکھتی ہے جیسے زونہ رکھتی ہے لیکن اس کے اپنے بچے بھی ہیں پھر وہ میکے بھی

چلی جاتی ہے کافی دن کے لئے، کل کو ذوہیب یا جاذل کی وائف شاید تمہارا ایسے خیال نہ کریں ایسی صورت میں زونہ کا تمہارے پاس ہونا ضروری ہے اگر اسے کہیں اور بیاہ دو گے تو تمہارے اپنے لئے بہت مسئلہ ہو جائے گا، اس لئے ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو۔“ بابا جان کی بات پہ اشہب علی خان کی پیشانی سلوٹوں سے بھر گئی تھی۔

ذوہیب کے سلسلے میں جو کچھ ان لوگوں نے کہا تھا اس پہ وہ بابا جان سے بہت متنفذ ہو گئے تھے کیونکہ اپنی بہن کے چہرے پہ یہ بکھرتے ان رنگوں کو انہوں نے کئی بار نوٹ کیا تھا جو ذوہیب کو دیکھ کر بکھرتے تھے، ذوہیب بھی زونہ چاہتا ہے اس چیز سے بھی وہ آگاہ تھے اور اب ذوہیب کا رشتہ نہیں اور طے کر کے وہ لوگ کس منہ سے زونہ کا رشتہ مانگ رہے تھے اور وہ بھی اپنے آوارہ اور لوفر بیٹے کے لئے اور اب کس طرح طویلین دے کر انہیں بلیک میل کیا جا رہا تھا، وہ چند ٹائیے بغور بابا جان کو دیکھتے رہے جو کچھ ان کے ساتھ ہوا تھا وہ اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر چکے تھے لیکن اپنی بہن کے ساتھ وہ ویسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے جو وہ لوگ چاہ رہے تھے، اس لئے انہوں نے ایک بار پھر سختی سے کہا تھا۔

”میں بہت اچھی طرح سوچ کر ہی انکار کر رہا ہوں۔“ بابا جان، لیکن مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے بابا جان۔“ اس آواز پہ جہاں اشہب علی خان نے جھٹکے سے سر موڑ کر حیرت و بے یقینی سے دروازے میں ایستادہ اپنی بہن کو دیکھا تھا وہیں بابا جان کے برابر بیٹھی ماما جان کے لب مسکرا اٹھے تھے، انہوں نے جو چاہا تھا سب کچھ ویسے ہی ہو رہا تھا، زونہ کے اس فیصلے سے اشہب علی خان

بہت ناراض ہوئے تھے انہوں نے اسے بہت سمجھایا تھا یہاں تک کہ اس سے بولنا بند کر دیا تھا لیکن اس نے اپنا فیصلہ نہ بدلا تھا، اسارہ بھابھی نے بھی بہت سمجھایا تھا لیکن وہ اپنی بات پہ قائم رہی تھی، جاذل کو جب اس بات کی خبر ہوئی کہ اس کا رشتہ زونہ سے طے کر دیا گیا ہے تو وہ شاکد رہ گیا تھا زونہ سے ذوہیب محبت کرتا ہے اور وہ بھی اسے پسند کرتی ہے یہ بات تو گھر کا ہر فرد جانتا تھا پھر ماما اور بابا نے ایسا فیصلہ کیسے کر لیا، وہ غصے میں بھرا بابا جان کے پاس آ رہا تھا۔

”بابا میں زونہ سے شادی نہیں کر سکتا۔“ اس نے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا، تو بابا جان نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

”کیا میں اس انکار کی وجہ جان سکتا ہوں۔“ بابا جان نے غصے سے دانت پیستے ہوئے دریافت کیا تھا، وہ جب بھی جاذل کو دیکھتے تھے ان کا خون کھول جاتا تھا اور اب اس کے انکار پہ وہ اور بھی تپ گئے تھے۔

”وجہ آپ بھی جانتے ہیں بابا کہ وہ ذوہیب کو پسند۔۔۔۔۔“

”شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔“ بابا اس کی بات کاٹ کر ایک دم چلائے تھے۔

”آپ چاہیں کتنا بھی چلائیں مجھ پہ لیکن میں کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا جس کے دل میں پہلے ہی کوئی اور رہتا ہو۔“ اس نے بے خونی سے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے دو ٹوک الفاظ میں کہا تھا تو بابا جان کا پارہ مزید ہائی ہو گیا۔

”اب اگر تم نے اس شادی سے انکار کیا تو میں تمہیں عاق کر کے گھر سے نکال دوں گا پھر کھاتے رہنا دھکے سڑکوں پہ سمجھے تم۔“ بابا جان کی بات پہ اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے لیکن اندر

ہی اندر وہ کئی دن تک جلتا کڑھتا رہا تھا کہ چولو کی اس کے والدین کو ذوہیب کے لئے پسند نہ تھی وہ اس کے لئے انہیں قابل قبول کیسے ہو گئی، کتنی بار اس کا دل کہا کہ انکار کر دے، لیکن بابا جان کی بات کا سوچ کر چپ کر گیا کیونکہ اپنی عیاشیوں کو پورا کرنے کے لئے پیسہ اس کی سب بے اہم ضرورت تھا اور اپنے حصے کی جائیداد سے ہاتھ دھونا وہ انورڈ نہیں کر سکتا تھا، ورنہ زونہ علی خان سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس کی خاموشی کو رضا مندی گردانتے ہوئے ماما جان اور بابا نے ذوہیب کے ساتھ اس کی شادی کی بھی ڈیٹ فکس کر دی۔

☆☆☆

اسارہ بھابھی نے زونہ کے کمرے میں جھانکا تو وہ آئینے کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگا رہی تھی۔

”تم بارات کے ساتھ جاؤ گی؟“ اس کو تیار ہوتے دیکھ کر انہوں نے سوالیہ لہجے میں پوچھا تھا تو اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا، اسارہ بھابھی کو اس نازک سی لڑکی کے حوصلے پہ حیرت ہوئی تھی، وہ کتنی ہی دیر تک اسے دیکھے گئیں، زونہ لپ اسٹک رکھنے کے بعد مزی تو انہیں اس طرح اپنی طرف دیکھتے پا کر اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں، بھئی میرے ڈیئر کزن کی شادی ہے بارات کے ساتھ جانے کا تو حق بنتا ہے نامیرا۔“ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور کمرے سے نکل گئی تو بھابھی کی آنکھیں بھینکنے لگی تھیں، رات تقریباً آٹھ بجے وہ لوگ رومیلہ کو رخصت کروا کر حسن ولا لے آئے تھے اور اس کے ایک گھنٹے بعد اشہب لالہ کے کمرے میں زونہ کا نکاح جاذل سے کر دیا گیا، اشہب

لالہ اس کو ساتھ لگا کر بہت روئے تھے لالہ کے کندھے سے لگتے ہی زونہ کا ضبط بھی جواب دے گیا تھا وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، اسارہ بھابھی بھی انہیں روتا دیکھ کر رو دی تھیں، پھر انہوں نے ہی ان دونوں کو بڑی مشکلوں سے چپ کروا رہا تھا، اشہب لالہ تو چپ ہی نہ کر رہے تھے اس لئے بھابھی زونہ کو اس کے کمرے میں لے آئیں کہ جب تک وہ سامنے رہے گی اشہب اس طرح ہی روتے رہیں گے، کمرے میں آ کر زونہ نے ایک بار پھر رونا شروع کر دیا تھا۔

”زونہ فار گاڈ سیک، سنبھالو خود کو اور پھر یہ سب تمہارے فیصلے پہ ہی ہوا ہے تم نے خود ہاں کی تھی ورنہ اشہب تو کبھی نہ مانتا۔“ بھابھی کی بات پہ اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔

”میرا فیصلہ۔۔۔۔۔ بھابھی آپ کو بھی یہ لگتا ہے کہ یہ میرا فیصلہ ہے، آپ تو سب جانتی ہیں پھر بھی۔“ اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا تو بھابھی اس کی بات پہ چپ کر گئیں پھر بھابھی نے ہی اسے تیار کیا تھا اس نے زیادہ میک اپ کراٹے سے انکار کر دیا تھا تو بھابھی نے لائٹ سے میک اپ کر دیا، لائٹ سے میک اپ میں بھی اس کا معصوم حسن دو چند ہو گیا تھا جس وقت بھابھی اسے لے کر نیچے آئیں تھیں لاؤنج میں اسے لپ اسٹک اور ذوہیب کا فونوٹیشن اور مودی بن رہی تھی، بھابھی نے اسے بھی رومیلہ کے دائیں طرف بٹھا دیا اور جاذل کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن وہ انہیں نظر نہ آتا تھا۔

”لو بھئی بڑی دلہن تو آگئی اب بڑے واسے دولہا کو بھی بلاؤ۔“ صارم حسن (عائشہ آپی کے شوہر جو آپی کے ساتھ شادی میں شرکت کے لئے کپ ٹاؤن (ساؤتھ افریقہ) سے آئے تھے) نے ایک لگائی لیکن دولہا صاحب وہاں

ہوتے تو ملتے مودی اور تصویروں کا سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا۔

”بچوں رات بہت ہو گئی ہے اب باقی کمر کل پوری کر لیں گے اب سونا چاہیے۔“ بابا جان نے کہا تو سب اٹھنے لگے، عائشہ آپی زونہ کو جاذل کے کمرے میں لے آئیں تھیں اسے بیڈ پہ بٹھا کر اس کا لہنگا درست کرتے ہوئے انہوں نے اس کا چہرہ بغور دیکھا تھا جو میک اپ کے باوجود پیلا دکھائی دے رہا تھا۔

”زونہ آریو اد کے؟“ انہوں نے اس کے چہرے پہ نظرس نکاتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا تھا اپنی یہ پیاری سی کزن انہیں بہت عزیز تھی اور جو کچھ اب اس کے ساتھ ہوا تھا اس لئے انہیں اس پہ ترس آنے لگا تھا، انہیں اپنے والدین کے خود غرضانہ فیصلے پہ بہت دکھ تھا لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکتی تھیں، وہ تو اپنی دفعہ بھی کچھ نہ کر سکیں تھیں جب ان کے اپنے والدین نے ان کے دل کی پرواہ کیے بغیر انہیں صارم کے ساتھ بیاہ دیا تھا، لیکن اب زونہ کے دیکھ پہ ان کا دل ہی نہیں آنکھیں بھی بھر گئیں تھیں تبھی بہت فکر مندی سے اس کے سرسوں کی مانند پیلے چہرے کو دیکھ کر پوچھ لیا۔

”جی آپی! بس وہ سر میں درد ہو رہا ہے۔“ زونہ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے سر کو دباتے ہوئے کہا تو آپی کچھ دیر اس کی جانب دیکھتی رہیں پھر باہر نکل گئیں تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں چائے کا کپ اور ٹیبلٹس تھیں۔

”چائے کے ساتھ ٹیبلٹ لے لو آرام آ جائے گا۔“ جب تک وہ چائے پیتی رہی آپی اس کے پاس ہی بیٹھی رہیں، اس نے چائے ختم کر کے کپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا تو آپی اٹھتے

ہوئے بولی تھیں۔
 ”تم ایسا کرو چینیج کر کے سو جاؤ، جاذل کا کوئی پتہ نہیں ہے کہ کب آئے اور آئے بھی یا نہیں۔“ آخر میں انہوں نے زخمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا اور اس کی طرف دیکھے بغیر کپ اٹھا کر باہر نکل گئیں تو وہ کتنی دیر چپ سی اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی، پھر چینیج کرنے اٹھ گئی کہ جاذل عمر خان کا انتظار کرنے کا قطعی کوئی ارمان نہ تھا اس کے دل میں بھی، چینیج کرنے کے بعد وہ سونے کو لیٹی تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس کے ساتھ اس طرح ہو جائے گا اس نے بھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا، آنسو دھیرے دھیرے اس کے تکیے کو بھگونے لگے تھے، روتے روتے کب خیند کی دیوی اس پہ مہربان ہوئی اسے پتہ ہی نہ چلا تھا۔

☆☆☆

جاذل نکاح کے فوراً بعد اپنے دوست ارباز ملک کی طرف چلا آیا تھا اور اب کتنی دیر سے ارباز کے بیڈروم میں اس کے بیڈ پہ لیٹا ایک ٹک چھت کو گھورتے ہوئے نجائے کس سوچ میں گم تھا، شام سے اس نے پتہ نہیں کتنے ہی سگریٹ ختم کیے تھے، دھواں چھوڑنے والی مشین بنا ہوا تھا۔
 ”ہیلو سر کار کیا میں آپ کے اس قدر خراب موڈ کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں؟“ ارباز جو کافی دیر سے اس کے بیڈرے تیوروں اور چہرے پہ حد سے زیادہ چھائی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے بالآخر پوچھ بیٹھا تھا لیکن جاذل نے اس کی بات پہ کوئی رسپانس نہ دیا تھا، اسی طرح چھت پہ نگاہیں نکاتے سگریٹ پیتا رہا تو ارباز مسکراتے ہوئے مزید گویا ہوا تھا۔

”یار خان آج تو تیری شادی خانہ آبادی ہوئی ہے آج تو تجھے بہت فریش موڈ میں ہونا

چاہیے تھا لیکن تو ہے کہ منہ لٹکائے بیٹھا ہے۔“ ارباز کی بات پہ اس نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔
 ”تو چپ نہیں رہ سکتا ہے میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں مجھے مزید تنگ نہیں کرو۔“ وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ ایسی کون سی پریشانی ہے جناب کو کہ اپنی نئی نوپلی دہن کو چھوڑ کر یہاں تشریف فرما ہیں۔“ ارباز نے ایک بار پھر اسے چھیڑا تھا۔
 ”ہونہہ دہن۔“ ارباز کی بات پہ وہ اندر تک جل گیا تھا پھر تکیہ اٹھا کر چہرے پہ رکھ لیا تھا۔
 ”تم نے بتایا نہیں کہ تمہارا موڈ اتنا آف کیوں ہے؟“ ارباز نے تکیہ ہٹاتے ہوئے ایک بار پھر پوچھا تھا۔
 ”یار ملک پلیز تنگ نہ کر مجھے، سونے دے۔“ اس نے ارباز سے تکیہ چھین کر پھر چہرے پہ رکھ لیا تو ارباز نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

”کیا مطلب سونے دو، تو نے گھر نہیں جانا کیا؟“
 ”اگر تجھے تکلیف ہو رہی ہے تو چلا جانا ہوں۔“ اس نے تکیہ دور اچھالا اور غصے سے کہتے ہوئے بیڈ سے اترنے لگا تو ارباز نے فوراً اس کا بازو پکڑتے ہوئے روکا تھا۔
 ”ارے نہیں یار مجھے کیوں تکلیف ہونے لگی، میں تو بس اس لئے کہہ رہا تھا کہ گھر میں بھابھی تیرا انتظار کر رہی ہوگی۔“ ارباز نے مسکراتے ہوئے شرارت سے ایک بار پھر اسے چھیڑا تھا۔

”وہ میرا انتظار کبھی نہیں کر سکتی، یوں کہو کہ میرے نہ آنے کی دعائیں مانگ رہی ہوگی۔“ اس نے غصے سے ارباز کو گھورتے ہوئے کہا، لیکن ارباز اس کی بات پہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا، لیکن

دوسرے ہی پل سنجیدگی سے پوچھا تھا۔
 ”یار خان اگر ایسی بات تھی تو انکار کر دیتا مگر تجھے یہ شادی نہیں کرنا ہے، اب یہ رونے والی صورت بنانے کا فائدہ اور پھر تیرے لئے لڑکیوں کی کمی تھی ایک سے بڑھ کر ایک پڑی تھی راہوں میں۔“

”کیا تھا انکار، لیکن وہ جو میرے والد محترم ہیں نا ان کا کہنا تھا کہ اگر میں نے یہ شادی نہ کی تو وہ مجھے عاق کر دیں گے۔“ اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تو ارباز ایک بار پھر ہنس دیا، اس کے اس طرح دانت پیسنے پہ۔

”تو ہنس رہا ہے شرم تو نہیں آتی ہے تجھے۔“ اس نے ارباز کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”بھئی میرے یار کے غصے کا گراف تو بیج عجیب بہت ہائی لگتا ہے اسے نیچے لانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔“ ارباز نے اس کے پھولے ہوئے خفا خفا سے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور نمبر ملا کر موبائل کان سے لگا لیا۔
 ”شاء، ڈیئر کیا آپ اس وقت میرے گھر پہ آ سکتیں ہیں۔“ دوسری طرف کال ریسو ہوتے ہی ارباز نے بہت لگاؤ سے کہا تھا، دوسری جانب پتہ نہیں کیا کہا گیا تھا کہ وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔
 ”ارے نہیں جناب ہماری کیا جرأت کہ آپ کو یاد فرمائیں، اچھو ٹکی ہمارے خان جی آج کچھ خفا سے ہیں ہم سے تو مان نہیں رہے سوچا آپ کو بھی بلا لیں شاید آپ ہماری کچھ مدد کر سکیں۔“

”ملک جی آپ کا حکم سر آنکھوں پہ ہم کون ہوتے ہیں انکار کرنے والے، لیکن وہ کیا ہے کہ آپا بیگم اس وقت جانے کی اجازت نہیں دیں گی اچھو ٹکی ہماری بگنگ ہے آج رات کی۔“ جاذل خان کا نام سن کر شا کا اپنا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا

لیکن ساتھ ہی اس نے تھوڑا غرہ دکھایا تھا۔
 ”اوہو آپا بیگم کو چھوڑو، بس تم جلدی سے تیار ہو جاؤ میرا ڈرائیور تمہیں لینے آ رہا ہے اس کے ہاتھ تمہاری آپا بیگم کو خوش کرنے کا سامان بھی بھیج دیں گے۔“ ارباز موبائل پہ بات کرتے کرتے باہر نکل گیا۔

”لے یار خوش ہو جا آ رہی ہے وہ جو بقول تیرے تیرے دل کا سکون آنکھوں کا قرار اور پتہ نہیں کیا کیا ہے، بگنگ تھی اس کی کسی اور کے ساتھ ڈبل ریٹ دیا ہے تب جا کر مانی ہے۔“ ڈرائیور کو شا کے گھر بھیج کر ارباز اندر آیا تو جاذل کی سمت دیکھتے ہوئے آنکھ دبا کر بولا تھا پھر الماری سے ڈرنک کی ایک بوتل نکال کر جاذل کی سمت بڑھا دی۔

”یہ کون سا برانڈ ہے؟“ جاذل بوتل کو گھما کر دیکھنے لگا جس کی برانڈ کا لیبل نظر نہ آیا تو ارباز سے پوچھا۔
 ”یہ میرے آدمیوں نے خود تیار کی ہے فارم ہاؤس پہ، لیکن تو بے فکر رہ اسے ٹرائی کرنے کے بعد تجھے ان سب برانڈ ڈورنڈ ڈ کا ذائقہ بھولنے لگے گا۔“ پھر ارباز کے کہنے پہ اس نے وہ پی تولی تھی لیکن پتے ساتھ اسے ایسا لگا تھا جیسے اس نے جلنے کو تلے لگل لئے ہوں جنہوں نے اس کے اندر آگ لگا دی تھی اندر کی جلن کو کم کرنے کے لئے اس نے ٹھنڈے پانی کی پوری بوتل خالی کر دی تھی لیکن اندر کی جلن کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھی اسے بڑے زور کی تے آئی تھی وہ تیزی سے داش روم کی طرف بڑھا تھا تے کرنے کے باوجود اندر جلن کم نہ ہوئی تو اس نے کراہتے ہوئے ارباز سے پوچھا تھا۔

”اوے یار ملک یہ کیا پلا ڈالا ہے مجھے۔“ اس کی سفید پڑی رنگت اور پسینے پسینے وجود کو دیکھ

لیکن ساتھ ہی اس نے تھوڑا غرہ دکھایا تھا۔
 ”اوہو آپا بیگم کو چھوڑو، بس تم جلدی سے تیار ہو جاؤ میرا ڈرائیور تمہیں لینے آ رہا ہے اس کے ہاتھ تمہاری آپا بیگم کو خوش کرنے کا سامان بھی بھیج دیں گے۔“ ارباز موبائل پہ بات کرتے کرتے باہر نکل گیا۔

”اوے یار ملک یہ کیا پلا ڈالا ہے مجھے۔“ اس کی سفید پڑی رنگت اور پسینے پسینے وجود کو دیکھ

کرار باز خود بہت پریشان ہو گیا تھا۔
 ”یار خان لگتا ہے یہ تجھے سوٹ نہیں کی چل
 ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔“
 ”نہیں تو ایسا کر مجھے گھر چھوڑ دے مجھ سے
 گاڑی ڈرائیور نہیں ہوگی۔“ اس نے اٹھتے ہوئے
 کہا تھا۔

”خان تیری طبیعت زیادہ خراب ہو رہی
 ہے پہلے ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔“ ارباز کے
 بار بار کہنے پر بھی وہ ڈاکٹر کے پاس جانے کی
 بجائے گھر آ گیا تھا ارباز اسے گیٹ پہ اتار کر چلا
 گیا تو وہ لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے تک آیا تھا
 سبھی لوگ اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے سو
 اس نے شکر کیا کہ اس کو کسی نے اس حالت میں
 نہیں دیکھا، بیڈ روم کی لائٹ آن کرنے کے بعد
 وہ چکراتے سر کے ساتھ واش روم کی طرف بڑھ
 گیا مسلسل تے کرنے سے اس کا وجود بے جان
 سا ہونے لگا تھا، سر الگ درد سے پھٹا جا رہا تھا وہ
 کچھ دیر واش بیسن پہ جھکا تے کرتا رہا لیکن جب
 ٹانگوں پہ کھڑا رہنا مشکل لگنے لگا تو دیوار کے
 سہارے چلتا بیڈ تک آیا تھا اور بیڈ پہ گر کر سر تکیے
 پہ ڈال لیا اندر کو جیسے کوئی چھری سے کاٹ رہا تھا
 تکلیف سے بے حال ہوتے ہوتے اس نے
 کروٹ بدلی تھی تو نظر کچھ فاصلے پہ سوئے وجود پہ
 جا ٹھہری تھی، پھر دوسرے ہی پل اس نے ہاتھ
 بڑھا کر اس کا بازو تھام لیا تھا۔

☆☆☆

”اے سنو۔“ وہ گہری نیند میں تھی جب
 پہلے اس کا بازو زور سے ہلایا گیا تھا پھر یہ فقرہ اس
 کے کان میں پڑا تھا جاگ تو وہ بازو ہلانے پہ ہی
 گئی تھی مگر اس آواز پہ اس کا نیند میں ڈوبا ذہن
 پوری طرح بیدار ہو گیا تھا، اس نے آنکھیں کھول
 کر دیکھا تو نگاہ جاذل عمر خان کی سرخ انگارے

جیسی آنکھوں سے ٹکرائی تھی جاذل پہ نظر پڑتے
 ہی وہ جھٹکے سے اٹھا بازو اس کی گرفت سے
 چھڑواتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی، تکیے کے پاس پڑا
 دوپٹہ اٹھا کر فوراً شانوں پہ ڈالا تھا وہ جو دوپٹہ
 درست کر رہی تھی جب جاذل کی آواز ایک بار پھر
 اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

”اے پانی دو۔“ اس نے گردن موڑ کر
 اپنے بائیں طرف دیکھا تھا۔
 وہ پینوں میں نہایا اسی کی جانب دیکھ رہا تھا
 اس کی سفید پڑی رنگت اور پسینے پسینے ہوتے وجود
 کو دیکھ کر زونہ کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا وہ ایک
 پل میں جان گئی تھی کہ اس نے ڈرنک کی ہے، وہ
 کتنی درنیک ساکت سی اس کی جانب دیکھتی
 رہی، تو یہ تھی اس کی نئی زندگی کی شروعات، زندگی
 میں آج تک اس کے ساتھ اچھا تو کچھ بھی نہ ہوا
 تھا پیدا ہوتے ہی اس نے باپ باپ جیسے پیارے
 رشتوں کی محرومی دیکھی تھی اپنے جان سے
 پیارے لالہ کا اپناج ہو کر وکیل چیئر پہ بیٹھنا سہا
 تھا، اس کے لئے تو لالہ کا دکھ ہی کافی تھا اور اب
 اس کے اپنے ساتھ یہ سب، وہ بس جاذل کو
 دیکھے جا رہی تھی، جب اسے بھابھی کی بات یاد
 آئی تھی۔

”تم نے ذوہیب کو اذیت دینے اس سے
 بدلہ لینے کے لئے کیا ہے نا یہ سب لیکن تمہیں شاید
 اندازہ نہیں ہے کہ جاذل خان کا عمر بھر کا ساتھ
 تمہارے اپنے لئے ایک اذیت بن جائے گا۔“
 بھابھی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے تو
 آنسوؤں سے اس کی آنکھیں بھر گئیں۔

”اے سنا نہیں تم نے، پانی دو مجھے۔“ اسے
 ساکت بیٹھے دیکھ کر جاذل نے ایک بار پھر اس کا
 بازو ہلایا تھا، اس کے ہلانے پہ زونہ کے ساکت
 وجود میں حرکت ہوئی تھی وہ اٹھی اور سائیڈ ٹیبل پہ

پڑے جگ سے پانی کا گلاس بھر کر اس کی طرف
 بڑھا دیا، اس کی نظریں مسلسل جاذل کے چہرے
 پہ تھیں وہ اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے انہیں زبردستی
 انہیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا زونہ یہی سمجھتی تھی
 کہ بہت زیادہ پینے کی وجہ سے اس کی آنکھیں
 نہیں کھل رہیں وہ بہت مشکل سے اٹھ کر سیدھا
 بیٹھا اور زونہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس تھام لیا
 ابھی اس نے بمشکل دو یا تین گھونٹ ہی بھرے
 ہوں گے کہ ایک بار پھر بڑے زور کی تے آئی تھی
 لیکن اب اس کے وجود میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ
 اٹھ کر واش بیسن تک جاسکتا اس لئے اس نے
 آگے کو جھک کر فرش پہ تے کر دی تھی، زونہ جو
 بیڈ کے پاس ہی کھڑی تھی اسے جھکتا دیکھ کر تیزی
 سے پیچھے ہٹی تھی، تے کرنے کے بعد جاذل نے
 ایک بار پھر لیٹ کر سر تکیے پہ رکھ دیا، وہ دونوں
 ہاتھوں سے اپنے درد سے پھٹے سر کو دبا رہا تھا۔

”ماما!“ تکلیف سے کراہتے ہوئے اس
 نے ماما جان کو پکارا تھا، زونہ خالی خالی نگاہوں
 سے اسے دیکھ رہی تھی، اس کے آنسو گالوں کو
 بہانے لگے تھے۔

”کیا اب پوری زندگی مجھے یہ سب ہی
 دیکھنا ہے، اے میرے رب ہمارے لئے تیرے
 پاس کیا کوئی خوشی نہیں ہے سارے دکھ ساری
 اذیتیں ہم بہن بھائی کی زندگی میں ہی کیوں۔“
 وہ روتے ہوئے اپنے رب سے شکوہ کناں تھی یہ
 جانتے ہوئے بھی کہ جس اذیت سے وہ اس وقت
 دوچار تھی وہ اس کی اپنی خریدی ہوئی تھی، لیکن وہ
 یہ کیا کرتی اس کے پاس جاذل کے علاوہ اور
 کوئی چارلس بھی تو نہ تھی اپنے لالہ کو تنہائی کے
 عذاب سے بچانے کے لئے اس نے سارے
 عذاب ساری اذیتیں اپنی ذات کے لئے منتخب کر
 لی تھیں، ورنہ اپنے لئے جاذل خان جیسے جیون

ساتھی کو تو اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا، شرابی،
 جواری، زانی کون سی برائی تھی جو اس شخص میں نہ
 پائی جاتی تھی اور وہ کس قدر مجبور تھی کہ سب
 جانتے بوجھتے ساری زندگی کے لئے اس کا ساتھ
 قبول کر لیا تھا، جس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے
 وہ ڈرتی تھی ساری زندگی کے لئے اس کی آنکھوں
 کے سامنے رہنے کا فیصلہ اس کا اپنا تھا اور اس سے
 یہ فیصلہ کروانے کے لئے جاذل عمر خان کی ماں
 نے کس مہارت سے سارا کھیل کھیلا تھا کہ وہ
 دیکھتی رہ گئی تھی کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے اور وہ
 شخص جس پہ اسے بڑا مان تھا کس طرح اپنا راستہ
 بدل کر الگ ہوا تھا اسے یقین کی ڈور تھما کر اس
 طرح بے یقین کیا تھا، کہ اسے کتنا وقت یقین
 کرنے میں لگا تھا، اک حیرانی سی حیرانی تھی کہ
 اس نے کس طرح اس کے دل کی دنیا کو تہہ و بالا
 کر کے اپنے قدم واپس موڑ لئے تھے اور سوچتی
 رہ گئی کہ کیا وہ اس کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔

جانے والا یادوں کے دو عکس ادھورے چھوڑ گیا
 اک تصویر جدائی کی ہے اک منظر حیرانی کا
 ہانک رہے ہیں کھول رہے ہیں باندھ رہے ہیں لفظوں کو
 اس نے کام ہمیں سوچا ہے فکر کی گلہ بانی کا
 ☆☆☆

”پانی۔“ جاذل کی آواز پہ اس کی سوچ کی
 ڈوری ٹوٹی تھی اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے
 ہوئے اس نے پانی کا گلاس اسے پکڑا دیا لیکن
 اب بھی اس نے صرف ایک دو گھونٹ ہی لئے
 تھے کہ گلاس زونہ کو واپس پکڑا کر کھانسنے لگا تھا،
 کھانسنے کھانسنے وہ آگے کو جھکا تھا اور پھر تے کر
 دی اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے زونہ کی نظر
 جب فرش پہ پڑی تو اسے اپنے پاؤں کے نیچے
 سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی آف وائٹ
 ماربل کے فرش پہ سرخ خون کے دھبے نمایاں ہو

رہے تھے، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی فرش پہ پھیلے خون کے دھبوں اور کبھی جاذل عمر خان کو دیکھ رہی تھی جس نے لیٹ کر سردو بارہ بجے پہ رکھ لیا تھا وہ تقریباً بے ہوش ہو چکا تھا، وہ چیخ مار کر باہر کو دوڑی تھی۔

”لالہ، بھابھی پلیز جلدی دروازہ کھولیں۔“ روچیل لالہ کے کمرے کے سامنے رک کر اس نے آہستہ سے دروازہ ٹاک کرنے کے ساتھ ہی آواز بھی دی تھی، اس خیال سے کہ گھر مہمانوں سے بھرا تھا اور وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی یہ سب تماشا دیکھے روچیل لالہ کے دروازہ کھولتے ہی وہ ان کے گلے لگ کر رونے لگی تھی۔

”زونی..... زونی میری جان کیا ہوا ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟“ روچیل لالہ نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے تفکر زدہ لہجے میں استفسار کیا تھا اس کے کانپتے وجود اور بہتے آنسوؤں سے وہ بہت پریشان ہو گئے تھے۔

”لالہ..... وہ..... جج..... جاذل۔“ وہ اتنی حواس باختہ ہوئی تھی کہ اس سے کچھ بولا ہی نہ جا رہا تھا اس کے منہ سے جاذل کا نام نہ نکلا اور بھابھی دونوں جاذل کے کمرے کی جانب دوڑے تھے، جاذل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسمارہ بھابھی کی توجہ نکل گئی تھی۔

”اسمارہ پلیز آہستہ، گھر میں مہمان ہیں اگر کوئی اٹھ گیا تو کیا سوچے گا اور پلیز آپ جا کے بابا جان اور ذوہیب کو اٹھا دیں، جاذل کی طبیعت بہت خراب ہے آئی تھنک اسے ہسپتال لے کر جانا ہوگا۔“ لالہ نے اسمارہ کو ٹوکنے کے ساتھ بابا جان اور ذوہیب کو بلانے کا کہا تو اسمارہ بھابھی فوراً باہر نکل گئیں تھیں۔

”جاذل..... جاذل آنکھیں کھولو، پلیز جاذل بتاؤ کیا ہوا ہے تمہیں، کیا کھایا ہے تم نے۔“

روچیل نے جاذل کے گال تھپکتے ہوئے کہا تھا وہ یہی سمجھے تھے کہ اس نے کوئی زہریلی چیز کھائی ہے اس نے جس طرح شادی سے انکار کیا تھا اور پھر جس طرح بابا جان نے عاق کرنے کی دھمکی دے کر اس کو اس شادی کے لئے مجبور کیا تھا، لالہ کا شک کچھ غلط بھی نہ تھا، وہ جانتے تھے کہ وہ کس قدر ضدی تھا اپنی مرضی کے خلاف اس نے آج تک کوئی کام نہ کیا تھا اور اب جس طرح وہ بابا جان کے فیصلے کے آگے بے بس ہوا تھا لالہ کو شک نہیں بلکہ یقین ہونے لگا تھا کہ اس نے ضرور کوئی زہریلی چیز کھائی ہے بھی وہ اس کی حالت اس قدر خراب ہو رہی تھی پھر اسمارہ بھابھی کے بتانے پہ بابا جان، ماما، ذوہیب، صارم لالہ، عائشہ آئی سب چلے آئے تھے اور جاذل کی اس قدر بگڑتی حالت کو دیکھ کر ان سب کو بھی وہی شک ہوا تھا جو روچیل کو ہوا تھا، لیکن ماما جان تو کچھ اور ہی سوچ رہی تھیں جاذل کے بے ہوش وجود سے ہوتے ہوتے ان کی نظر بیڈ کے دوسری طرف کھڑی زونہ پہ گئی تھی جس نے اپنے کانپتے وجود کو سہارا دینے کے لئے اسمارہ بھابھی کا بازو تھام رکھا تھا جب کہ آنکھوں سے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے، ماما جان ایک دم اٹھ کر اس کے سامنے آئیں تھیں اور اس کا بازو تھام کر ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب کیا تھا۔

”کیا کھلایا ہے میرے بیٹے کو، کیا دیا ہے اسے جو اس کی یہ حالت ہو گئی ہے۔“ اس کے بازو کو جھٹکا دے کر انہوں نے انتہائی نفرت زدہ لہجے میں پوچھا تھا ان کی بات پہ کمرے میں موجود کبھی نفوس کو یا ساکت ہو گئے تھے اور زونہ علی خان تو جیسے پتھر کی ہو گئی تھی اس کے روئی سے بہتے آنسو وہی تھم گئے تھے وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بس ماما جان کو دیکھنے جا رہی تھی۔

”اب اس طرح آنکھیں پھاڑ کے مجھے کیا دیکھ رہی ہو، میری بات کا جواب دو، کیا کھلایا ہے جاذل کو، زہر دیا ہے نا اسے۔“ ماما جان کی بات پہ اس نے تڑپ کر سر کوٹنی میں ہلایا تھا۔

”نن..... نہیں ماما جان قسم سے۔“

”جھوٹ مت بولو، ابھی شام تک تو وہ بالکل ٹھیک تھا پھر اچانک اس کی طبیعت اتنی خراب کس طرح ہو گئی۔“ ماما جان نے چلاتے ہوئے اس کو دھکا دیا تھا اگر اسمارہ بھابھی اس کو تھام نہ لیتیں تو وہ گر جاتی ماما جان کو اس طرح غصے سے چلاتے دیکھ کر روچیل لالہ تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

”فارگاڈ سیک ماما، چپ ہو جائیں یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے اور پھر جاذل کی حالت.....“ روچیل لالہ بولتے بولتے ایک دم ذوہیب کی طرف چلے گئے تھے اور اسے گھاڑی نکالنے کو کہا تھا، صارم حسن اور روچیل جاذل کو گھاڑی تک لے گئے تھے، ماما جان بھی خون آشام نظروں سے زونہ کی طرف دیکھتے ہوئے باہر نکل گئیں لیکن باہر نکلنے سے پہلے انہوں نے زونہ کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی نفرت سے کہا تھا۔

”غلطی ہو گئی تھی مجھ سے جو اپنے بیٹے کو تم سے بیاہ دیا، بھول گئی تھی میں کہ خوشی کی پونہ ہو تم، جو پیدا ہوتے ہی اپنے گسے ماں باپ کو کھا گئی تو تمہاری خوشی سے میرا بیٹے کیسے بچ سکتا تھا۔“

ماما جان اپنی ساری نفرت لفظوں کے ذریعے اس کے کانوں میں انٹرل کے چاچکی تھیں وہ ساکت سی ان کو جاتے دیکھتی رہ گئی اسے اپنے حواس ساتھ چھوڑتے ہوئے محسوس ہوئے تھے اس کے لرزے وجود کو دیکھتے ہوئے عائشہ آئی نے اسے ساتھ لگا لیا تھا تو وہ ان کے گلے لگ کر پھوٹ

پھوٹ کر رو دی تھی۔

”زونی پلیز چپ کر جاؤ، ماما جان کو تو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔“ آئی نے اسے کندھوں سے تھام کر آہستہ سے الگ کرتے ہوئے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

”زعائشہ آپ کو پھپھو بلا رہی ہیں۔“ صارم کے پکارنے پہ عائشہ آئی باہر نکل گئیں تو زونہ نے اسمارہ بھابھی کے کندھے پہ سر رکھ کر پھر سے آنسو بہانا شروع کر دیئے تھے بھابھی بھی اس کو ساتھ لگا کر رو دی تھیں۔

وہ تو آج تک پہ ہی نہ سمجھ سکیں تھیں کہ آخر ماما جان زونہ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں، پھر بھابھی باقی رات اس کے پاس ہی رہی تھیں، صبح پانچ بجے جاذل کی طبیعت کچھ سنبھلی تو ذوہیب، صارم اور عائشہ بابا جان کے کہنے پہ گھر آ گئے تھے شام کو ولیمہ تھا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، بابا جان نے سب کو سختی سے منع کیا تھا کہ مہمانوں میں سے کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ جاذل ہسپتال میں ہے، بابا جان کے بقول لوگوں کو تو رائی کا پہاڑ بنانے کی عادت ہوتی ہے، گھر آ کر صارم تو سونے کے لئے چلے گئے تھے جبکہ ذوہیب اور عائشہ جاذل کے بیڈ روم میں آ گئے، زونہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے رو رہی تھی، عائشہ آئی تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھیں۔

”زونی میری جان چپ کر جاؤ پلیز، دیکھو ماما جان نے تم سے جو کچھ بھی کہا ہے اس کے لئے میں تم سے سوری بولتی ہوں اور پھر جب ہم سب جانتے ہیں کہ ماما جان نے جو کچھ بھی کہا ہے ویسا کچھ نہیں ہے تو تم اس طرح رو کر خود کو تکلیف کیوں دے رہی ہو؟“ عائشہ نے اس کو ساتھ لگا کر اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا اور یہ یہ سچ تھا کہ جاذل کی حالت کو دیکھ کر سب کو نہ

شک تو ضرور ہوا تھا کہ اس نے کوئی زہریلی چیز کھا لی ہے لیکن ایسا کچھ زونیہ نے کہا ہوگا اس طرح تو کسی نے نہ سوچا تھا سوائے ماما جان کے اور ماما جان نے اس کے بارے میں اچھا کب سوچا تھا کہ اب سوچتیں۔

”ڈاکٹر نے کیا کہا ہے آئی مین جاذل کی طبیعت اتنی خراب کس وجہ سے ہوئی تھی؟“ اسارہ بھابھی کے پوچھنے پہ عائشہ آپی بس زونیہ کو دیکھ کے رہ گئیں۔

”مجھے تو نہیں پتہ، بابا جان اور روہیل وغیرہ کی بات ہوئی ہے ڈاکٹر سے میں نے ان سے نہیں پوچھا۔“ عائشہ آپی کے جھوٹ بولنے پہ صوفی نے یہ بیٹھے ذوہیب کا غصے سے دماغ گھوم گیا تھا۔

”آپی جھوٹ کیوں بول رہی ہیں سیدھی طرح بتائیں کہ جاذل لالہ کی یہ حالت پینے کی وجہ سے ہوئی ہے، ویسے یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جناب جاذل عمر خان صاحب کس چیز کو بڑے شوق سے پیتے ہیں۔“ زونیہ کے چہرے پہ نظریں نکاتے ہوئے اس نے مینے کو کافی لمبا کھینچا تھا زونیہ نے بھیگی پلکوں کو اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا وہ ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ سجائے اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا، ذوہیب کے چہرے پہ بکھری طنزیہ مسکراہٹ سے اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر دھند سی چھانے لگی تھی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئی ذوہیب بھی جلتا کڑھتا اپنے بیڈ روم میں چلا آیا، اسے زونیہ پر بہت غصہ آ رہا تھا کہ اس نے محض ذوہیب کی ضد میں اپنی زندگی تباہ کر لی تھی زندگی کو جاذل جیسے شخص کے نام کرنا ذوہیب کے خیال میں تباہ کرنے کے مترادف ہی تھا کمرے میں آ کر اس نے لائٹ آن کی تو رومیلہ پہ نگاہ پڑتے ہی اس

کے اندر نفرت اور غصے کی ایک تیز لہر نے سر اٹھایا تھا اس کا جی چاہا تھا کہ گہری نیند میں سوئی رومیلہ کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے دوسروں کی زندگیوں کو تباہ کر کے ان کی نیندوں کو حرام کر کے وہ کتنے چین سے سو رہی تھی، اپنی نفرت اور غصے کو دباتے ہوئے وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا جب وہ واش روم سے نکلا تو رومیلہ کو جاگتے پا کر اس کی پیشانی سلونوں سے بھر گئی تھی، وہ نیم دراز اس کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔

”جاذل لالہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟“ ذوہیب کو اپنی جانب دیکھتے پا کر اس نے استفسار کیا تھا ذوہیب نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا، اس نے آگے بڑھ کر تکیہ درست کیا اور لیٹ کر آنکھیں موند لیں، تو اس کے اس رویے پہ رومیلہ کا خون کھول گیا تھا، وہ پہلی ملاقات سے لے کر آج تک مسلسل اس کی ذات کی نفی کرتا آ رہا تھا، لیکن آج اپنا رد کیا جانا رومیلہ سے برداشت نہ ہو رہا تھا کیونکہ اب وہ صرف اس کی کزن نہیں تھی بلکہ اس کی بیوی کی حیثیت سے اس کے بیڈ روم میں موجود تھی اور وہ اس کی اس حیثیت کو تسلیم کرنا تو دور کی بات اس کی طرف دیکھنے سے بھی انکاری تھا اور یہ سب صرف اور صرف زونیہ علی خان کی وجہ سے ہو رہا تھا زونیہ کا خیال آتے ہی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا کچھ بل وہ غصے سے ذوہیب کی طرف دیکھتی رہی پھر اسے جلانے کو طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔

”ویسے جاذل لالہ مجھے کافی غیرت مند آدمی لگتے ہیں۔“ اس کی بات پہ ذوہیب نے سرعت سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا وہ جو مسکراتے ہوئے اس کی جانب ہی دیکھ رہی تھی اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر مزید گویا ہوئی۔

کسی اور کی محبوبہ کو بیوی کا درجہ دینے سے مر جانا زیادہ بہتر خیال کرتا ہو۔“ اس کی بات پہ غصے سے ذوہیب کی منھیاں بھیج گئی تھیں اس کا دل چاہا تھا کہ رومیلہ کو دھکے دے کر اپنے بیڈ روم سے نکال دے اگر اسے گھر میں موجود مہمانوں کا خیال نہ ہوتا تو وہ ایسا کرنے میں لمحہ کی تاخیر نہیں کرتا، لیکن اب اسے خود یہ ضبط کرنا پڑا تھا لیکن بالکل چپ رہنے والا تو وہ بھی نہ تھا۔

”اچھا جی! پھر اس لحاظ سے تم تو بہت ہی بے غیرت عورت ہو۔“ اس نے رومیلہ کے ہی انداز میں چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ سجا کے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا تو اس کی بات کا مقبوم سمجھ کر رومیلہ کے تلوؤں کو لگی اور سر پہ بھیجی تھی ذوہیب تو حساب برابر کر کے اس کی طرف کروٹ بدل کے سو گیا لیکن وہ کافی دیر تک جلتی کڑھتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

واش روم میں بند وہ کتنی دیر تک آنسو بہاتی رہی، خوب سارا رو لینے کے بعد وہ منہ دھو کر باہر نکلی تو بھابھی، عائشہ آپی اور ذوہیب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے وہ تولیے سے چہرہ خشک کر رہی تھی جب بھابھی ٹرے میں چائے کے دو کپ اور بسکٹ کی پلیٹ رکھے اندر داخل ہوئی تھیں۔

”کب سے جاگ رہے ہیں یار اب تو پیٹ میں جو ہے ناچ رہے ہیں، ناشتہ تو سب مہمانوں کے اٹھنے کے بعد ہی آئے گا اور ابھی صرف چھ بجے ہیں سو چاہتے ہیں آجائے اور بسکٹ پہ گزارا کرتے ہیں، جلدی سے آ جاؤ، چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔“ بھابھی نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا تو وہ چپ چاپ صوفی پہ آ بیٹھی اور چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا، چائے

کے دوران اس نے کوئی بات نہ کی تھی، بھابھی کی باتوں کے جواب بھی اس نے صرف ہوں ہاں میں ہی دیے تھے۔

”تم تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤ شام میں ویسے کانکشن بھی ہے فریش ہو جاؤ گی میں اشہب لالہ کو چائے دے آؤں وہ تو اس ٹائم اٹھ جاتے ہیں۔“ بھابھی نے چائے کے خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا تو وہ فوراً بولی۔

”بھابھی رات کو جو کچھ بھی ہوا اس سب کا پتہ اشہب لالہ کو نہیں چلنا چاہیے وہ پہلے ہی میری اور جاذل کی شادی سے خوش نہیں ہیں یہ سب سن کر اور پریشان ہو جائیں گے۔“ بھابھی نے اثبات میں سر ہلادیا تھا۔

بھابھی نے صرف اشہب لالہ کو ہی نہیں بلکہ مہمانوں کو بھی یہی بتایا تھا کہ بابا جان کے دوست کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی وہ ہاسپٹل میں ہیں اس لئے رات کو بابا ماما جان اور روہیل کو لاہور جانا پڑا، شام تک وہ لوگ آجائیں گے۔

سب مہمانوں کے ناشتہ کرنے تک گیارہ بج چکے تھے، سارے پھیلاؤ سے فارغ ہونے کے بعد بھابھی رجو اور تاجی سے کچن صاف کروا رہی تھیں جب باہر سے گزرتے ذوہیب کو دیکھ کر انہوں نے اسے آواز دی تھی۔

”ہاسپٹل جا رہے ہو؟“ پھر اس کے سر ہلانے پہ بولی تھیں۔

”دھنڈھرو میں نے بھی جانا ہے جاذل کو دیکھئے۔“ جب وہ چینج کر کے باہر آئیں تو سوچا کہ زونیہ کو بھی ساتھ لے لیں۔

”ذوہیب بس دو منٹ، میں ابھی آتی ہوں۔“ ذوہیب کو کہہ کر وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئیں، زونیہ ڈرینگ کے سامنے بیٹھی بالوں میں برش کر رہی تھی جب بھابھی اندر

داخل ہونیں۔

”زونی میں جاذل کو دیکھنے ہاسپٹل جا رہی ہوں تم چلو گی۔“

”نہیں۔“ بھابھی کی بات یہ اس نے فوراً انکار کر دیا تھا۔

”زونی میرے خیال میں تمہیں جانا چاہیے، دیکھو جو بھی ہے جیسا بھی ہے بہر حال اب وہ تمہارا شوہر ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ تم اسے دیکھنے ہاسپٹل نہیں آئیں۔“ بھابھی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دھیرے سے سمجھانا چاہا تھا اگرچہ وہ جاذل کے ساتھ اس کی شادی سے خوش نہ تھی لیکن اب چونکہ یہ شادی ہو چکی تھی اس لئے وہ چاہتی تھیں کہ زونی اس شادی کو اچھے طریقے سے نبھائے اس کی طرف سے ایسی کوئی بات نہ ہو جس پر ماما جان کو کچھ بھی کہنے کا موقع مل جائے اس بات کا تو انہیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ زونی کے ساتھ جاذل کی شادی ماما جان نے اپنی دلی خوشی سے نہ کی تھی بلکہ رومیلا کی ذوہیب کے ساتھ شادی کے لئے راستہ ہموار کرنے اور اپنے آوارہ بیٹے کا گھر بسانے کے لئے انہوں نے مجبوری کا یہ سودا کیا تھا، ورنہ زونی کی تو صورت سے بھی انہیں نفرت تھیں اور بھابھی نہیں جانتی تھیں کہ ماما جان کو اپنی نفرت کے اظہار کا کوئی بھی موقع ملے بھی ایک بار پھر اسے سمجھانا چاہا تھا لیکن وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔

”نہیں مجھے نہیں جانا ہے، سنا تھا نا آپ نے رات کو ماما جان نے جو کہا تھا کہ میری نحوست ان کے بیٹے کو بھی لے ڈوبی ہے، میں ہی منحوس ہوں جو پہلے اپنے ماں باپ کو کھا گئی اور اب.....“ بولتے بولتے اس کا گلا رندھ گیا تو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے ایک بار

پھر شدت سے رو دی۔

”زونی پلیز روؤ نہیں، تم ہاسپٹل نہیں جانا چاہتیں نہ جاؤ لیکن پلیز چپ کر جاؤ۔“ بھابھی نے اس کے ہاتھوں کو سہلاتے ہوئے کہا تھا اسی وقت ذوہیب ہلکی سی دستک کے ساتھ اندر آیا تھا، ذوہیب نے نظر پڑتے ہی زونی نے تیزی سے رخ موڑتے ہوئے آنسو صاف کیے تھے ذوہیب اس کی یہ حرکت نوٹ کر چکا تھا اس کا رویا چہرہ اس کی نظروں کی گرفت میں آچکا تھا۔

”بھابھی چلیں دیر ہو رہی ہے مجھے۔“ اس نے بھابھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں چلو۔“ بھابھی باہر نکلنے لگیں جب ذوہیب نے زونی کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

”بھابھی کیا جاذل لالہ کی سسر نہیں جائیں گی ان کی عیادت کو۔“ اس کے اس طنز پر بھابھی نے پہلے تو اسے گھور کر دیکھا تھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گئیں۔

”ذوہیب پلیز مت تنگ کرو اسے، وہ پہلے ہی بہت دکھی ہے۔“ بھابھی نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

”ہونہہ، دکھی یہ دکھ اس کے اپنے خریدے ہوئے ہیں بھابھی ورنہ یہ دنیا مجھ پہ تو ختم نہیں ہوتی تھی۔“ ذوہیب نے انتہائی غصے سے کہا تھا یہ سب جانتے ہوئے بھی کہ زونی علی خان کی دنیا ذوہیب عمر خان پہ ہی ختم تھی۔

☆☆☆

شام چھ بجے جاذل کو ڈسچارج کر دیا گیا ڈاکٹر طاہر انجی اسے ڈسچارج نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن جب بابا جان نے انہیں مجبوری بتائی کہ آج جاذل کا ولیمہ ہے تو انہوں نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی، جب وہ لوگ گھر

آئے تب تک عائشہ آپلی رومیلا اور زونیہ کو ڈرائیور کے ساتھ پارلر لے جا چکی تھیں جس وقت وہ پارلر سے شادی ہال پہنچیں تھیں سب مہمان آجکے تھے، جب دونوں دلہنوں کو سٹیج پہ بٹھایا گیا تو سب کی سٹائشی نظریں زونیہ پر جا ٹھہریں تھیں وہ خوبصورت تو پہلے ہی بہت تھی لیکن آج بیوٹیشن کے ماہر ہاتھوں نے اس کے حسن کو مزید نکھار دیا تھا سب نے اس کی بہت تعریف کی تھی اگرچہ رومیلا بھی خوبصورت تھی لیکن زونیہ کے مقابلے میں وہ کچھ بھی نہ لگ رہی تھی۔

”آپلی! زونی آج کتنی پیاری لگ رہی ہے نا۔“ اسمارہ بھابی کی بہن رطابہ نے زونیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اسمارہ بھابھی مسکرا دیں۔

”صرف آج ہی کیوں بھئی وہ تو ہمیشہ سے ہی اتنی پیاری ہے۔“ رطابہ بھی مسکرا دی ماما جان جو کچھ نا صاف لے پڑا آئی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں انہوں نے اسمارہ بھابھی اور رطابہ کی گفتگو سن لی تھی اس لئے غصے سے بل کھا کے رہ گئیں اور غصے سے بل تو وہ کافی دیر سے مہمان خواتین کے زونیہ کے لئے تعریفی کلمات سن کر ہی کھا رہی تھیں خواتین کی ان باتوں سے ان کی آنکھوں کے سامنے برسوں پہلے کا وہ منظر لہرا گیا تھا جب وہ اور پری وش سٹیج پہ برابر بیٹھیں تھیں۔

”علی کی دلہن زیادہ خوبصورت ہے، عمر والی تو ایویس سی ہے۔“ کسی خاتون کے برسوں پہلے بولے گئے الفاظ ان کے کانوں میں گونجنے لگے تھے ان کی نگاہ سامنے زونیہ پر جا ٹھہری تھی برسوں پہلے مہمان خاتون کے بولے گئے الفاظ نے پری وش کے لئے جو نفرت ان کے دل میں بھر دی تھی وہ ساری کی ساری نفرت اس وقت ان کی آنکھوں میں آن بسی تھی، انہیں ایسا فیل ہو رہا تھا

کہ آج اتنے برس بعد پری وش نے انہیں پھر سے شکست دے دی ہو۔

زونیہ سر جھکائے بیٹھی تھی جب عائشہ آپلی جاذل کا ہاتھ تھام کر سٹیج پہ لائیں اور اس کے برابر بٹھا دیا اور نوٹو گرافر سے ان دونوں کی بہت سی تصویریں لینے کو کہا تھا ان کے بقول رات کو بھی ان دونوں کی اکٹھے کوئی تصویر نہ بنی تھی اور نہ ہی مووی بنی تھی، عائشہ کی بات پر رومیلا غصے سے پہلو بدل کر رہ گئی۔

”ہونہہ! پورا خاندان ہی اس پہ لٹو ہے سمجھ نہیں آتی کہ ایسی کیا خاص بات ہے اس لڑکی میں۔“ اسمارہ بھابھی کی زونیہ کے ساتھ گہری دوستی سے تو وہ واقف ہی تھی لیکن عائشہ آپلی کا زونیہ کے ساتھ یہ انتہائی سلوک اس سے برداشت نہ ہو رہا تھا اس کے خیال میں اگر زونیہ ان کی کزن تھی تو رومیلا کے ساتھ بھی ان کا وہی رشتہ تھا پھر زونیہ کے لئے اتنا پیار کیوں، حالانکہ رومیلا تو اب ان کے سب سے لاڈلے چہیتے بھائی کی دلہن بھی تھی پھر بھی آپلی نے اس کے لئے کسی گرجوش کی محبت کا اظہار نہ کیا تھا اور اس بات پر وہ اندر تک جل گئی تھی اور جل تو زونیہ علی خان بھی رہی تھی جب جاذل عمر خان اس کے برابر بیٹھا تھا تو ماما جان کے کل رات بولے گئے الفاظ اس ذہن میں پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔

”غلطی ہو گئی مجھ سے جو اپنے بیٹے کو تم سے بیاہ دیا، بھول گئی تھی میں کہ نحوست کی پوٹلی ہو تم، جس نے پیدا ہوتے ساتھ اپنے سگے ماں باپ کو کھا لیا اس کی نحوست سے میرا بیٹا کیسے بچ سکتا تھا۔“ ماما جان کے الفاظ ذہن میں آتے ہی ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں گرم پانی سما جمع ہونے لگا تھا آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے اس پانی کو پہنے سے روکا تھا لیکن پھر بھی دو آنسو اس کے

گالوں پہ پھسل گئے تھے اور اسی وقت جاذل عمر خان جو سامنے دیکھ رہا تھا نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے ایک ترچھی سی نگاہ اپنے دائیں طرف ڈالی تھی اور ٹھنک گیا تھا وہ آنکھیں بند کیے رو رہی تھی۔

اس کے رونے کی وجہ کیا تھی یہ خیال جاذل عمر خان کو سر تا پا جھلسا گیا تھا اس کے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں اس کی بیوی اس کے پہلو میں بیٹھی کسی اور کے لئے آنسو بہا رہی تھی کچھ پل اس کی جانب دیکھا وہ ذرا سا اس کی جانب جھکا تھا۔

”ایکسی زمی!“ زونہ آنکھیں بند کیے اپنے آنسوؤں کو کنٹرول کر رہی تھی جب جاذل کی آواز اسے اپنے کان کے بہت قریب سنائی دی تھی اس نے لمحے کے ہزاروں حصے میں آنکھیں کھولیں اور گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا وہ چہرے پہ عجیب سا تاثر لیے اس کی جانب دیکھ رہا تھا اس کے دیکھنے پہ دھیمی آواز میں بولا تھا۔

”مخترمہ یہ شادی ہال ہے جہاں پہ آپ اتنے سارے مہمانوں کی موجودگی میں نیر بہا کر لوگوں کو میری ذات پہ انگلی اٹھانے کا موقع فراہم کر رہی ہیں اس لئے پلیز یہ شغل بند کیجئے، ہاں البتہ گھر جا کر آپ اپنا یہ شوق جاری رکھ سکتی ہیں اپنے بیڈ روم میں آپ بے شک جتنی مرضی آنسو بہا لیجئے گا مسٹر ذویب عمر خان کے نام کے، یقین کیجئے میں بالکل بھی مانڈ نہیں کرونگا سو مہربانی کر کے اس وقت اپنے یہ قیمتی آنسو صاف کر لیں، مگر چھتا ہوا لہجہ جس کی چیخ زونہ نے اپنے اندر تک محسوس کی تھی اس نے تیزی سے اپنے آنسو صاف کیے تھے جاذل اپنی بات کہہ کر جلتا بھٹتا نہ صرف سچ سے اتر آیا تھا بلکہ ہال سے بھی باہر آ گیا۔

”جاذل کہاں جا رہے ہو؟“ وہ گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا جب عائشہ اسے آواز دیتی اس کے پیچھے آئیں تھیں۔

”گھر۔“ اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر انتہائی بگڑے موڈ میں جواب دیا تھا۔

”گھر، لیکن کیوں، میرا مطلب ہے ابھی تو فنکشن.....“ ان کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ غصے سے بول اٹھا تھا۔

”آئی فوٹ آئی ایم ناٹ فیلنگ ویل اور میں گھر جا کر آرام کرنا چاہتا ہوں۔“ اپنی بات مکمل کر کے وہ آئی کی طرف دیکھے اور ان کی ایک بھی سنے بغیر گاڑی نکال لے گیا جب بابا جان کو اس کے چلے جانے کا پتہ چلا تو وہ یہ سوچ کر ہی پریشان ہو گئے تھے کہ وہ مہمانوں کو دلیسے کے فنکشن سے دلہے کے یوں غائب ہو جانے کا کیا جواز پیش کریں گے جبکہ سب لوگ دلہا کے کرتوت بھی بہت اچھی طرح جانتے تھے انہوں نے جس طرح سب کو مطمئن کیا تھا یہ الگ بات تھی کہ ان کی بات پہ کسی نے کتنا یقین کیا تھا خاص کر زونہ کی ننھیاں فیملی کو جواب دیتے تو ایک طرح سے ان کے پسینے چھوٹ گئے تھے انہوں نے دل ہی دل میں جاذل کو ڈھیروں گالیوں سے نوازا تا سب مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد جب وہ گھر پہنچے تو یہ جان کر کہ جاذل ابھی تک گھر نہ پہنچا تھا ان کے غصے کا گراف سوانیزے پہ جا پہنچا تھا۔

”زاشی تم تو کہہ رہی تھی کہ وہ گھر گیا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے۔“ انہوں نے غصے سے عائشہ سے استفسار کیا تھا لیکن عائشہ کے بولنے سے پہلے ماما جان بول پڑی تھیں۔

”عمر پلیز اب جانے بھی دیں رستے میں کسی دوست کے پاس رک گیا ہو گا آ جاتا ہے

تھوڑی دیر میں آپ غصہ نہ کریں۔“ پھر بابا جان تو غصہ دباتے مزید کچھ بھی بولے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے لیکن عائشہ نے بہت تاسف سے اپنی ماں کی جانب دیکھا تھا جس کی بے جا طرف داری نے آج جاذل کو اس مقام تک پہنچایا تھا، بابا جان جب بھی اسے کسی بات پہ ڈانٹتے تھے تو ماما جان ہر بار ”اوہو عمر اب جانے بھی دیں“ والا مخصوص فقرہ بول کر اس کی ڈھال بن جاتی تھیں بابا جان اس کی حرکتوں سے تنگ آ کر اس کو پیسے نہ دیتے تو ماما جان، بابا سے چوری اس کو پیسے دے دیتی تھیں اور اب بھی انہوں نے کتنے آرام سے کہہ دیا تھا کہ جانے دیں، عائشہ کتنی ہی دیر ماما جان کو دیکھتے ہوئے سوچے گئیں تھیں کہ اگر جاذل کی جگہ ذویب ہوتا اور زونہ کی جگہ رومیلا تو کیا پھر بھی ماما جان آج بابا کو غصہ نہ کرنے کا مشورہ دیتیں ہر گز نہیں بلکہ وہ تو اپنی لاڈلی جیتی بھانجی کے نظر انداز کیے جانے پہ زمین آسمان ایک کر دیتیں، عائشہ نے بہت افسوس سے ماں کو دیکھا تھا اور پھر ان کے کمرے میں جانے کے بعد کچن میں آ گئیں، دو کپ چائے بنا کر ٹرے میں رکھے اور جاذل کے بیڈ روم میں آ گئیں زونہ چیخ کر کے ابھی سونے کے لئے لیٹ کر خود پہ کمبل پھیلا رہی تھی جب وہ اندر داخل ہوئیں تھیں۔

”زدنی چائے پیو گی؟“ انہوں نے پوچھا تھا۔

”وائے ناٹ۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ کر بیڈ گئی پھر چائے پینے کے دوران وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی تھیں لیکن انہوں نے نوٹ کیا تھا کہ وہ جواب میں بس ہوں ہاں کہے جا رہی تھی، عائشہ چائے ختم کر کے اٹھ رہی تھیں جب وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

”کہاں تھے تم اس وقت تک؟“ ٹائم دیکھا ہے کیا ہو رہا ہے۔“ وہ جونہی دروازہ بند کر کے مڑا عائشہ نے سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

”کیوں کیا ہوا ہے؟“ اس نے بہت آرام سے پوچھا تھا جس پہ عائشہ کا دماغ گھوم گیا تھا۔ ”خدا کے لئے جاذل باز آ جاؤ ان حرکتوں سے، تمہاری شادی ہو چکی ہے، اب گھر پہ تمہاری بیوی موجود ہے، یہ آوارہ گردیاں۔“ اس نے عائشہ کا چہرہ دیکھتے ان کی پوری بات سنی تھی پھر کوئی بھی جواب دیئے بغیر الماری سے کپڑے نکالے اور واش روم میں گھس گیا۔

”سنو پڈا“ عائشہ غصے سے بڑبڑاتی باہر کل گئی زونہ نے چند ثانیے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا تھا پھر کروٹ کے بل لیٹ کر خود پہ کمبل پھیلا لیا، جاذل خان کے چند گھنٹے پہلے بولے جانے والے الفاظ ایک بار پھر اس کے ذہن میں تازہ ہو گئے تھے اور ساتھ ہی آنسو روانی سے اس کی آنکھوں سے بہہ کر اس کا تکیہ بھگونے لگے تھے، واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس نے تیزی سے اپنے آنسو صاف کیے اور کمبل چہرے تک کھینچ لیا تھا، جاذل چیخ کر کے باہر نکلا تو وہ سر تک کمبل لپیٹے سو رہی تھی اس پہ نظر پڑتے ہی دھیان کے پردے پہ چند گھنٹے پہلے اس کے رونے کا منظر آن بسا تھا ساتھ ہی اس کے اندر ایک اشتعال نے سراٹھایا تھا جس پہ بڑی مشکل سے قابو پاتا وہ آگے بڑھا تھا اور لائٹ آف کر کے بیڈ پہ آ لیٹا۔

”شادی..... بیوی..... ہونہ، میں کسی بھی ایسی لڑکی کو اپنی بیوی نہیں مان سکتا ہوں جس کے دل و دماغ میں کوئی اور بسا ہو اور جو میرے پہلو میں بیٹھ کر کسی اور کے لئے آنسو بہائے، ہر گز ہر

گزر نہیں۔“ غصے سے کھولتے دماغ سے اس نے سوچا تھا اور زونہ کی طرف بیک کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن نیند اب کے آنی تھی۔

☆☆☆

زعائنہ آپنی شادی کے ایک ہفتے بعد اپنے ہزبینڈ کے ساتھ واپس جوہانسبرگ روانہ ہو گئی ان کے جانے کے اگلے دن زونہ نے بھی یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا شاہی لالہ چاہتے تھے کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرے، وہ پہلے ہی انہیں بہت ناراض کر چکی تھی اور اب تعلیم ادھوری چھوڑ کر ان کی مزید ناراضگی افورڈ نہیں کر سکتی تھی، جاذل کی وہی روٹین تھی صبح گھر سے نکلتا تو واپس زونہ کے سونے کے بعد ہی ہوتی تھی وہ زونہ کو مخاطب نہیں کرتا تھا تو زونہ کی بھی ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس سے کوئی بات کرے اس دن سنڈے تھا اسما رہ بھابھی کے ابو کی طبیعت ٹھیک نہ تھی اس لئے وہ میسج گئی ہوئی تھیں، رومیلہ اور ذوہیب، رومیلہ کی پھپھو کے ہاں دعوت پہ لاہور گئے ہوئے تھے زونہ تاجی کے ساتھ مل کر رات کا کھانا بنا رہی تھی جب جاذل کچن میں داخل ہوا تھا، زونہ اس ٹائم اسے گھر پہ دیکھ کے کافی حیران ہوئی تھی۔

”تاجی میرے کپڑے پر لیس کر دو، استری اسینڈ پہ پڑے ہیں اور سنو ذرا جلدی کرنا۔“ وہ اپنی بات مکمل کر کے کچن سے نکلنے لگا تھا جب تاجی تیزی سے بولی تھی۔

”پر صاحب جی ابھی تو میں آنا گوندھ رہی ہوں جی آنا گوندھ کے کر دوں گی۔“ تاجی کی بات پہ اس نے غصے سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ”وہاٹ ڈیو مین، آنا گوندھ کے کر دوں گی مجھے دیر ہو رہی ہے یہ بعد میں کرتی رہنا۔“ اس نے کافی بگڑتے ہوئے کہا تھا اور باہر نکل گیا تو

تاجی زونہ کی شکل دیکھنے لگی تھی۔

”قسم سے زونہ بی بی یہ صاحب بھی تائبس جب کوئی کام کہتے ہیں تو سر پہ سوار ہو جاتے ہیں، آٹا تھوڑا سا گوندھنے والا رہ گیا تھا اب بھلا اتنے میں کیا دیر ہو جاتی۔“ تاجی آٹا چھوڑ کر ہاتھ دھونے لگی تھی تو زونہ نے منع کر دیا۔

”تم آٹا گوندھو کپڑے میں پر لیس کر دیتی ہوں۔“ چادلوں کو دم پہ لگا کر وہ تاجی سے کہتے ہوئے کچن سے نکل آئی استری اسینڈ پہ جاذل کا شلوار سوٹ پڑا تھا میض استری کرنے کے بعد اس نے ابھی شلوار پکڑی ہی تھی کہ جاذل نے پیچھے سے آکر اس کے ہاتھ سے شلوار کھینچ لی تھی اور غصے سے بولا تھا۔

”ایکسیوزی میں نے تاجی سے کہا تھا۔“ زونہ نے ایک نظر اس کے غصے سے سجے چہرے کو دیکھا تھا اور بہت آہستہ آواز میں بولی تھی۔

”تاجی نارغ نہیں ہے اس لئے میں نے سوچا کہ میں کر دیتی ہوں۔“ زونہ کی بات پہ وہ دانت پیس کر بولا تھا۔

”تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے میرے بارے میں سوچا اب تم جانتی ہو یہ میں خود کر لوں گا۔“ غصے سے کہتے ہوئے وہ شلوار استری کرنے لگا تھا تو زونہ چند بل بھگی پلکوں سے اسے دیکھتی رہی پھر آنسو صاف کرتی وہاں سے ہٹ گئی وہ جب بھی اس کا کوئی کام کرنے لگتی وہ اسی طرح اس کی بے عزتی کر دیا کرتا تھا وہ کچن میں آکر سلاد بنانے لگی اس نے سوچ لیا تھا کہ آج کے بعد وہ اس کا کوئی بھی کام نہیں کرے گی اس کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائے گی کیونکہ اپنی اتنی بے عزتی اسے بھی گوارا نہ تھی اور اس کے بعد وہ واقعی اپنی بات پہ قائم بھی رہی تھی، صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا بھابھی تاجی کے ساتھ مل کر بناتی تھیں۔

تین رات کے کھانے کی ذمہ داری اس نے لے لی تھی ابھی نے کتنی بار کہا تھا کہ وہ اپنی سٹڈی پہ توجہ دے کیونکہ اس کے ایگزامز قریب تھے، اس وقت بھی اسے کچن میں دیکھ کر انہوں نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

”اوہو بھابھی اس میں کون سا ٹائم لگتا ہے اور پھر میں اکیلی تھوڑی ہوتی ہوں تاجی بھی تو میرے ساتھ ہوتی ہے اتنی جلدی سارا کام ہو جاتا ہے۔“ اس نے بھابھی کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ بھابھی ایسا صرف اس کی محبت میں کہتی ہیں ورنہ تھک تو وہ بھی جاتی ہوں گی اتنا کام ہوتا تھا صبح ناشتہ بنانا، بچوں کو تیار کر کے سکول بھیجنا، اپنی نگرانی میں رجو سے سارے گھر کی صفائی کر دانا، روپہر کا کھانا بنانا، اتنے ڈھیر سارے کام ہوتے تھے، رومیلہ تو مرضی کی مالک تھی کبھی موڈ میں ہوتی تو ہیلپ کر دیتی ورنہ ہفتوں کچن کا رخ نہ کرتی، اسما رہ بھابھی اور ذوہیب کے ساتھ اس کی کم ہی بنتی تھی، خاص کر زونہ کے ساتھ تو اس کا رویہ بہت ہی خراب ہوتا تھا، کبھی کبھی وہ ذوہیب کے حوالے سے زونہ کو ایسی ایسی بات لگا جاتی تھی کہ وہ اس کا منہ دیکھتی رہتی اور ایسا وہ تب کرتی تھی جب ارد گرد کوئی اور موجود نہ ہوتا تھا زونہ کو سمجھ نہ آتی تھی کہ وہ اس کے اس شک کو کیسے دور کرے یہ سچ تھا کہ کبھی وہ ذوہیب عمر خان سے بہت محبت کرتی تھی اور اسے ایسا بات پہ مان بھی تھا کہ ذوہیب بھی اسے چاہتا ہے لیکن اس کا یہ مان بہت بری طرح ٹوٹا تھا، کہ اب وہ ذوہیب سے محبت تو کیا اسے نفرت کے لائق بھی نہ سمجھتی تھی، اس نے اس سے ہر تعلق ختم کر لیا تھا، وہ بھی اسے مخاطب نہ کرتی تھی۔

☆☆☆

وہ لاؤنج میں سب کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہی ہوتی تو ذوہیب کے آجانے پہ غیر محسوس طریقے سے اٹھ جاتی اور یہ جان کر کہ رومیلہ اس پہ شک کرتی ہے وہ اور بھی محتاط ہو گئی تھی لیکن رومیلہ بھی کہ پھر بھی کوئی نہ کوئی بات نکال ہی لیا کرتی تھی اس کی باتوں نے زونہ کا جینا دو بھر کر دیا تھا۔

اس کے ایگزامز قریب تھے اس لئے وہ رات کو دیر تک پڑھتی تھی اور دیر تک جاگنے کے لئے اب وہ ہر روز رات کو دودھ کے بجائے چائے پیتی تھی اس وقت بھی وہ کچن میں کھڑی اپنے لئے چائے بنا رہی تھی جب رومیلہ کچن میں داخل ہوئی تھی۔

”چائے بنا رہی ہو تو ایک کپ میرے لئے بھی بنالینا۔“ اس کی بات پہ زونہ نے چائے میں دودھ اور پانی کا تھوڑا سا اور اضافہ کر لیا وہ چائے بنا کر کپوں میں ڈال رہی تھی جب ذوہیب چلا آیا تھا۔

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح - غنونا سے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلئے،
- نمکری نمکری پھر مسافر،
- لاہور اکیڈمی ۲۰۰۵ سرکلر روڈ لاہور۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سلیشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

وہ کچھ بولتا اس کا فون بجنے لگا تھا۔
”پاپا ہم پانچ منٹ میں پہنچ رہے ہیں بس تھوڑی سی دور ہیں، شاہی لالہ کیسے ہیں اب؟“
فون کان سے لگاتے ہی وہ تیز تیز بولا تھا دوسری طرف پتہ نہیں کیا کہا گیا تھا کہ اس نے گاڑی کی سپیڈ بڑھا دی تھی زونیا تو شاہی لالہ کا نام سنتے ہی تڑپ اٹھی تھی۔

”کیا ہوا ہے میرے لالہ کو اور یہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ اس کا تو جیسے دل بیٹھنے لگا تھا۔

”آپ بتا کیوں نہیں رہے ہیں مجھے، کیا ہوا ہے شاہی لالہ کو۔“ ذوہیب کو خاموش دیکھ کر اس کا دل ڈوبنے لگا تھا تو وہ چیخ پڑی۔

”بہرے ہو گئے ہیں آپ سنائی نہیں دے رہا ہے آپ کو میں کچھ پوچھ رہی ہوں آپ سے؟“ ذوہیب نے اس کے زرد ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔

”زونیا پلیز خود کو سنبھالو کچھ نہیں ہوا ہے اللہ کو بس معمولی سا ہارٹ اٹیک ہوا ہے اب وہ ٹھیک ہیں ابھی بابا کا فون تھا وہ بتا رہے تھے کہ شاہی لالہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔“ ذوہیب کی بات یہ وہ بے یقین سی اس کو دیکھ گئی پتا نہیں ٹھیک نہیں ہیں، اسے لگ رہا تھا کہ کچھ بہت برا ہونے والا ہے اس کا دل کچھ بہت غلط ہونے کی گواہی دے رہا تھا پھر اس کے دل کا کہا جی ثابت ہو گیا تھا، جب وہ ہاسپٹل پہنچے تھے تب تک شاہی لالہ اس دنیا سے جا چکے تھے وہ پچھٹی پچھٹی نگاہوں سے ان کے بے جان وجود کو دیکھ کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی تھی اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا، اسارہ بھابھی اس کی سمت بڑھی تھیں لیکن وہ لہرا کر نیچے آ رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

”بھابھی بہت بھوک لگ رہی ہے بھئی جلدی سے کھانا نکال دیں۔“ اس نے آج لچ کافی لیٹ کیا تھا بھی ڈنر پہ بھوک نہ لگی تھی تو چند نوالے ہی لئے تھے لیکن اب پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے، اس کے خیال میں اتنی رات کو بچن میں اسارہ بھابھی ہی موجود ہو سکتی تھیں بچن میں آتے ساتھ ہی بولا تھا لیکن جب نظر سامنے کیوں میں جائے ڈالتی زونیا پر پڑی تو ایک پل کو چپ سا رہ گیا۔

”سوری وہ میں سمجھا بھابھی ہیں۔“ وہ یہ کہتا پلٹ گیا تو اس کے جانے کے بعد رومیہ نے مسکرا کر زونیا کو دیکھا تھا۔

”خیریت اس میں سوری کرنے والی کون سی بات تھی، تم بھی تو بھابھی ہی ہونا لگتا ہے کہ ابھی تک بے چارے کے دل نے اس حقیقت کو تسلیم نہیں کیا۔“ اس کی بات یہ زونیا کے دل نے کہا تھا کہ اس کا منہ تو زونیا کے لیکن رات کے اس پہر وہ کوئی تماشائیں چاہتی تھی اس لئے خود پہ کنٹرول کرتی اپنا کپ اٹھا کر کمرے میں آ گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ آخری پیپر دے کر باہر نکلی تو ڈرائیور کے بجائے ذوہیب کو دیکھ کر اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے وہ کچھ بھی بولے بغیر فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی تو اس کے بیٹھے ہی ذوہیب نے گاڑی آگے بڑھا دی، وہ جو ذوہیب کی طرف سے رخ موڑے باہر دیکھ رہی تھی یہ احساس ہوتے ہی کہ گاڑی گھر کے راستے یہ نہیں جا رہی تھی جھٹکے سے رخ پھیر کر ذوہیب کو دیکھا تھا۔

”یہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔“ اس نے ماتھے پہ تیوری چڑھا کر قدرے سخت لہجے میں ذوہیب سے استفسار کیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ

میری دھڑکنے والی دلچسپی

مصباح علی تارڑ



شاہی لالہ کو دنیا سے گئے اتنے دن ہو گئے تھے لیکن اس کا دل ابھی تک اس حقیقت کو قبول نہ کر پا رہا تھا، وہ دن میں کئی کئی بار ان کے کمرے کے چکر لگاتی تھی یہ سوچ کر کہ وہ اپنے کمرے میں ہوں گے اور ان کو کمرے میں نہ پا کر ہر بار بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی، اس وقت بھی وہ ان کے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی ان کی تصویر گود میں رکھے رو رہی تھی جب بھابھی چلی آئیں تھیں، انہوں نے اسے ساتھ لگا کر اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

”زونی میری جان بس کرو اب، تمہارے اس طرح رونے سے شاہی لالہ واپس تو نہیں آئیں گے نا، الٹا تم رو کر ان کی روح کو بھی بے چین کرتی ہو گی تم جانتی ہو کہ وہ تمہاری آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اور اب جب تم اتنا روتی ہو تو سوچو انہیں وہاں کتنی تکلیف ہوتی ہو

گی۔“ بھابھی کی بات پہ اس نے تڑپ کر ان کی سمت دیکھا تھا تو بھابھی مزید بولیں تھیں۔
”دیکھو میری جان اگر واقعی تمہیں شاہی لالہ سے محبت تھی تو مجھ سے وعدہ کرو کہ آج کے بعد تم رو گی نہیں اور جب بھی شاہی لالہ تمہیں یاد آتیں تو رونے کے بجائے تم قرآن پڑھ کر ان کے لئے دعا کرنا، تم کہتی ہونا کہ اتنے دنوں میں ایک بار بھی وہ تمہیں خواب میں نہیں ملے تو جانتی ہو کیوں، تمہارے ان آنسوؤں کی وجہ سے۔“ پھر اُسارہ بھابھی ہی تھیں جو اسے زندگی کی طرف واپس لے کر آئیں تھیں بھابھی سارا دن اسے اپنے ساتھ مصروف رکھتی تھیں تاکہ اس کا دھیان بٹارے لیکن اس سب کے باوجود بھی کبھی کبھی لالہ اس کو اتنی شدت سے یاد آتے کہ اس کا اپنے آنسوؤں پہ اختیار ختم ہونے لگتا تھا، اس رات بھی اس کے ساتھ یہی ہوا تھا اسے نیند نہیں آرہی تھی تو

مکمل ناول



وہ لاؤنج میں آکر ٹی وی آن کر کے دیکھنے لگی، ٹی وی پر شاہ رخ خان کی مائی نیم از خان چل رہی تھی شاہ رخ خان شاہی لالہ کا موسٹ فیورٹ ایکٹر تھا وہ اس کی فلمیں بہت شوق سے دیکھتے تھے، مائی نیم از خان بھی انہوں نے کوئی دس بار دیکھی تھی زونہ کو شاہ رخ خان بالکل پسند نہ تھا بھی تو وہ لالہ سے جھگڑ پڑی تھی۔

”تو یہ لالہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ کو اس بڑھے بندر میں اچھا کیا لگتا ہے۔“ وہ ان کے کمرے میں گئی تو انہوں نے مائی نیم از خان دیکھتے پا کر جڑ گئی تھی۔

”ایکٹنگ مائی جان اس کی ایکٹنگ، شاہ رخ جیسی ایکٹنگ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔“ لالہ مسکرا کر بولے تو وہ منہ بناتے ہوئے بولی تھی۔

اب ٹی وی اسکرین پر شاہ رخ کا چہرہ دیکھ کر اسے ایکدم شاہی لالہ کی یاد آتی تھی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں بہنے لگے تھے، اسے وہاں بیٹھے روتے نہ جانے کتنی دیر ہوتی تھی کہ اسارہ بھا بھی چلی آئیں۔

”زونی تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اب تم کبھی نہیں روؤ گی تو پھر یہ سب کیا ہے؟“

”نہیں تو بھابھی میں رو تو نہیں رہی وہ تو بس۔“ اس نے تیزی سے اپنے آنسو صاف کئے تھے پھر بھابھی کے جانے کے بعد وہ کچن میں چلی آتی کہ رونے کی وجہ سے اس کا سر دکھنے لگا تھا اس نے سوچا کہ جائے کے ساتھ ٹیبلٹ لے لیتی ہوں وہ کچن میں گھڑی چائے بنا رہی تھی جب ذوہیب چلا آیا تھا، اسے سامنے دیکھ کر ایک بل کو اس کے قدم کچن کے دروازے کے فریم میں رکے تھے پھر کچھ سوچتے ہوئے آگے بڑھ آیا تھا، زونہ نے ایک نظر دیکھا تھا اسے پھر رخ موڑ کر

سایا پن کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”اگر چائے بنا رہی ہو تو پلیز ایک کپ میرے لئے بھی۔“ وہ آگے بڑھ آیا تھا تو زونہ نے چائے کپ میں ڈال کر خاموشی سے کپ اس کی سمت بڑھا دیا، ذوہیب نے اس کے رونے روئے چہرے کو بہت دھیان سے دیکھا تھا پھر کچھ بولنے کو لب کھولے ہی تھے کہ رومیلہ آگئی رومیلہ کو دیکھ کر وہ اپنا کپ اٹھا کر وہاں سے چلا گیا رومیلہ نے ایک نظر وہاں سے جاتے ذوہیب کی پشت کو دیکھا تھا پھر طنز یہ نگاہوں سے زونہ کو دیکھا تھا۔

”لگتا ہے میں نے کافی غلط ٹائم پر انٹرنل دی ہے مجھے اس وقت کچن میں نہیں آنا چاہیے تھا۔“

”کیا مطلب، تم کہنا کیا چاہتی ہو۔“ زونہ نے کانی حد تک اس کی بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی غصے سے پوچھا تھا۔

”میرا مطلب تم اچھی طرح سمجھ چکی ہو بھولی نہیں ہو تم، لیکن میری ایک بات تم کو کھول کر سن کو میرے شوہر کا پیچھا چھوڑ دو تو ہو گا تمہارے لئے ورنہ اتنا ذلیل کروں گی کہ کو منہ دکھانے لائق نہیں رہو گی۔“ رومیلہ نفرت سے ایک ایک لفظ چبا کر کہا تھا اور ہر لفظ کے لئے مڑی تھی پھر جاتے جاتے پلٹی تھی۔

”اور ہاں تمہارا شوہر اس وجہ سے گھاس نہیں ڈالتا ہے تاکہ تم شادی سے ذوہیب کو پسند کرتی ٹھیں لیکن سوچو اگر اس پتہ چل جائے کہ تم ابھی تک ذوہیب کے بڑی ہو تو جانتی ہو وہ تمہارا کیا حشر کرے اگر تم اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئیں تو آپ سب میں خود بتاؤ گی۔“ اس نے زونہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا اور وہاں سے چلا

تو زونہ نے جو ساکت کھڑی اس کی ساری بکواس من رہی تھی ایک دم اس کا بازو تھام کر رخ اپنی جانب کیا تھا۔

”ایک منٹ رومیلہ اب ذرا میری بھی سنتی جاؤ۔“ رومیلہ نے اس کی اس حرکت پر غصے سے اس کی جانب دیکھا تھا لیکن وہ اس کے غصے کو نظر انداز کرتی بڑے سکون سے بولی تھی۔

”گھٹیا تو تم ہو اس پر تو نہ مجھے پہلے شک تھا اور نہ ہی اب لیکن اب بات کلیئر کر دوں منر رومیلہ ذوہیب کہ مجھے تمہارے شوہر کے پیچھے پڑنے کا قطعی کوئی شوق نہیں ہے، اگر میں اس کے پیچھے پڑتی تو تم اس گھر میں بھی نہ آتیں اور ویسے بھی اس طرح کے کام تہی کو مبارک ہوں سب کو اسے جیسا مت سمجھا کرو اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جاذل مجھے گھاس نہیں ڈالتے ہیں تو ہمارا پرسنل معاملہ ہے آئندہ اس سلسلے میں کچھ کسی مت بولنا، وہ مجھے گھاس ڈالیں یا نہ میں دھڑکوں کے سامنے اس بات کا رونا بھی نہیں روؤ گی انڈر سٹینڈ۔“ پھر وہ تو یہ سب کہہ کر کچن سے نکل گئی جبکہ رومیلہ کمرے میں آنے کے بعد کتنی دیر تک جلتی کڑھتی رہی تھی ذوہیب کے خراب رویے کی وجہ سے وہ ایک دو بار ماما جان کے سامنے روئی تھی لیکن اس بات کی خبر زونہ کو کیسے ہوئی اسے یہ سمجھ نہ آ رہا تھا کیونکہ زونہ تو تب پاس نہ تھی پھر اسے ایکدم یاد آیا تھا کہ جب ایک دن اس نے ذوہیب کی شکایت ماما جان سے کی تھی تب اسارہ بھابھی وہیں موجود تھیں، یہ یاد آتے ہی اسے سمجھ آ گئی تھی کہ زونہ کو اس بات کا کیسے پتہ چلا۔

”گھٹیا تو تم ہو اس پر تو نہ مجھے پہلے شک تھا اور نہ ہی اب لیکن اب بات کلیئر کر دوں منر رومیلہ ذوہیب کہ مجھے تمہارے شوہر کے پیچھے پڑنے کا قطعی کوئی شوق نہیں ہے، اگر میں اس کے پیچھے پڑتی تو تم اس گھر میں بھی نہ آتیں اور ویسے بھی اس طرح کے کام تہی کو مبارک ہوں سب کو اسے جیسا مت سمجھا کرو اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جاذل مجھے گھاس نہیں ڈالتے ہیں تو ہمارا پرسنل معاملہ ہے آئندہ اس سلسلے میں کچھ کسی مت بولنا، وہ مجھے گھاس ڈالیں یا نہ میں دھڑکوں کے سامنے اس بات کا رونا بھی نہیں روؤ گی انڈر سٹینڈ۔“ پھر وہ تو یہ سب کہہ کر کچن سے نکل گئی جبکہ رومیلہ کمرے میں آنے کے بعد کتنی دیر تک جلتی کڑھتی رہی تھی ذوہیب کے خراب رویے کی وجہ سے وہ ایک دو بار ماما جان کے سامنے روئی تھی لیکن اس بات کی خبر زونہ کو کیسے ہوئی اسے یہ سمجھ نہ آ رہا تھا کیونکہ زونہ تو تب پاس نہ تھی پھر اسے ایکدم یاد آیا تھا کہ جب ایک دن اس نے ذوہیب کی شکایت ماما جان سے کی تھی تب اسارہ بھابھی وہیں موجود تھیں، یہ یاد آتے ہی اسے سمجھ آ گئی تھی کہ زونہ کو اس بات کا کیسے پتہ چلا۔

”گھٹیا تو تم ہو اس پر تو نہ مجھے پہلے شک تھا اور نہ ہی اب لیکن اب بات کلیئر کر دوں منر رومیلہ ذوہیب کہ مجھے تمہارے شوہر کے پیچھے پڑنے کا قطعی کوئی شوق نہیں ہے، اگر میں اس کے پیچھے پڑتی تو تم اس گھر میں بھی نہ آتیں اور ویسے بھی اس طرح کے کام تہی کو مبارک ہوں سب کو اسے جیسا مت سمجھا کرو اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جاذل مجھے گھاس نہیں ڈالتے ہیں تو ہمارا پرسنل معاملہ ہے آئندہ اس سلسلے میں کچھ کسی مت بولنا، وہ مجھے گھاس ڈالیں یا نہ میں دھڑکوں کے سامنے اس بات کا رونا بھی نہیں روؤ گی انڈر سٹینڈ۔“ پھر وہ تو یہ سب کہہ کر کچن سے نکل گئی جبکہ رومیلہ کمرے میں آنے کے بعد کتنی دیر تک جلتی کڑھتی رہی تھی ذوہیب کے خراب رویے کی وجہ سے وہ ایک دو بار ماما جان کے سامنے روئی تھی لیکن اس بات کی خبر زونہ کو کیسے ہوئی اسے یہ سمجھ نہ آ رہا تھا کیونکہ زونہ تو تب پاس نہ تھی پھر اسے ایکدم یاد آیا تھا کہ جب ایک دن اس نے ذوہیب کی شکایت ماما جان سے کی تھی تب اسارہ بھابھی وہیں موجود تھیں، یہ یاد آتے ہی اسے سمجھ آ گئی تھی کہ زونہ کو اس بات کا کیسے پتہ چلا۔

”گھٹیا تو تم ہو اس پر تو نہ مجھے پہلے شک تھا اور نہ ہی اب لیکن اب بات کلیئر کر دوں منر رومیلہ ذوہیب کہ مجھے تمہارے شوہر کے پیچھے پڑنے کا قطعی کوئی شوق نہیں ہے، اگر میں اس کے پیچھے پڑتی تو تم اس گھر میں بھی نہ آتیں اور ویسے بھی اس طرح کے کام تہی کو مبارک ہوں سب کو اسے جیسا مت سمجھا کرو اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جاذل مجھے گھاس نہیں ڈالتے ہیں تو ہمارا پرسنل معاملہ ہے آئندہ اس سلسلے میں کچھ کسی مت بولنا، وہ مجھے گھاس ڈالیں یا نہ میں دھڑکوں کے سامنے اس بات کا رونا بھی نہیں روؤ گی انڈر سٹینڈ۔“ پھر وہ تو یہ سب کہہ کر کچن سے نکل گئی جبکہ رومیلہ کمرے میں آنے کے بعد کتنی دیر تک جلتی کڑھتی رہی تھی ذوہیب کے خراب رویے کی وجہ سے وہ ایک دو بار ماما جان کے سامنے روئی تھی لیکن اس بات کی خبر زونہ کو کیسے ہوئی اسے یہ سمجھ نہ آ رہا تھا کیونکہ زونہ تو تب پاس نہ تھی پھر اسے ایکدم یاد آیا تھا کہ جب ایک دن اس نے ذوہیب کی شکایت ماما جان سے کی تھی تب اسارہ بھابھی وہیں موجود تھیں، یہ یاد آتے ہی اسے سمجھ آ گئی تھی کہ زونہ کو اس بات کا کیسے پتہ چلا۔

بھابھی کو دل ہی دل میں ڈھیروں گالیوں سے نوازتے ہوئے کہا تھا، جبکہ دوسری طرف زونہ اگرچہ رومیلہ کو بہت کچھ سنا تو آتی تھی لیکن کمرے میں آکر وہ رونے لگی تھی رومیلہ کے شک کا دائرہ اس کے گرد فرنگ ہوتا جا رہا تھا کسی نہ کسی بات کو لے کر وہ زونہ سے الجھ پڑتی تھی، زونہ کو ڈر تھا کہ اگر اس کی یہ فضول قسم کی بکواس کسی دن ذوہیب نے سن لی تو رومیلہ کی خیر نہ تھی اور اس سب کی ذمہ داری کس پر آتی تھی ماما جان نے اس سب کا ذمہ دار کے ٹھہرانا تھا زونہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی، پھر اس سوچ نے اسے ساری رات نہ سونے دیا تھا۔

☆☆☆

جاذل کافی لیٹ گھر آیا تھا اور پر کمرے میں جانے کے لئے اس نے ابھی سیڑھیوں کے پہلے زینے پر پاؤں رکھا ہی تھا جب پیچھے سے بابا جان کی آواز سنائی دی تھی۔

”رکو۔“ بابا جان کی پکار پر اس کے قدم وہیں تھم گئے تھے اس نے مڑ کر دیکھا وہ اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑے بہت غصے سے دکھائی دیئے تھے، پھر چلتے ہوئے اس کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔

”اس وقت کیا ٹائم ہو رہا ہے۔“ اس کے چہرے کو شعلہ باز نظروں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا تو وہ ان کی بات پر مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

”کم آن بابا جان! کیا آپ مجھ سے ٹائم پوچھنے کے لئے اتنی دیر تک جاگ رہے ہیں لگتا ہے آپ کی گھڑی، میو بائل اور آپ کے کمرے کا وال کلاک خراب ہے بھی تو آپ ٹائم پوچھنے کے لئے اتنی دیر تک جاگ کر میرا انتظار۔“

”شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔“ بابا جان

اس کی بات پہ اتنی زور سے گرجے تھے کہ ان کی آواز پہ سبھی اپنے اپنے کمروں سے نکل آئے تھے، مگر سامنے جاذل کو دیکھ کر بابا جان کے اتنا اونچا بولنے کی وجہ سب کو سمجھ آگئی تھی۔

”گھٹیا اور بے غیرت لوگوں میں رہ رہ کر اتنی تمیز بھی نہیں رہی ہے تمہیں کہ باپ سے بات کیسے کرتے ہیں۔“ بابا جان کی بات سن کر جاذل کو تو گویا آگ لگ گئی تھی۔

”آپ نے جو بھی کہنا ہے وہ مجھے کہیں میرے دوستوں کے بارے میں ٹیکسٹ یا ٹم اس طرح بات مت کیجئے گا۔“ اس نے انگلی کے اشارے سے انہیں روکا تھا تو اس کے اس طرح وارننگ والے انداز پہ بابا جان کا خون کھول گیا تھا انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے ایک زور کا پھپر اس کے گال پہ مارا تھا دوسرا پھپر مارنے کو ان کا ہاتھ ابھی اٹھا ہی تھا کہ روحیل لالہ اور ذوہیب تیزی سے آگے بڑھے تھے انہوں نے بہت مشکلوں سے بابا جان کو پیچھے ہٹایا تھا۔

”اے کہو دفعہ ہو جائے میری نظروں کے سامنے سے ابھی اور اسی وقت.....“ بابا جان نے غصے سے کہا تھا۔

”اور تم بھی سن لو روحیل آج کے بعد اس کے اکاؤنٹ میں ایک روپیہ بھی جمع کروایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، اس کی عیاشیوں کے لئے نہیں کماتے ہیں ہم۔“ روحیل لالہ سے کہتے ہوئے انہوں نے ایک قہر بھری نگاہ جاذل پہ ڈالی تھی۔

”اب یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو، دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔“

”ہاں جا رہا ہوں مجھے بھی کوئی شوق ہیں ہے آپ کی نظروں کے سامنے رہنے کا۔“ اس نے بھی غصے سے پھنکار تے ہوئے کہا تھا اور جلتا

بھٹتا میٹرھیاں چڑھ گیا زونہ جو اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی شور کی آواز سے اس کی آنکھ بھی کھل گئی تھی وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی باہر کو لپکی تھی وہ تیز تیز میٹرھیاں اتر رہی تھی جب جاذل انتہائی خراب موڈ میں اوپر آتا دکھائی دیا اسے دیکھ کر وہ ایک طرف ہٹتے ہوئے وہیں رک گئی تو وہ ایک ترچھی سی نگاہ اس پہ ڈال کر میٹرھیاں چڑھ گیا اس کے جانے کے بعد وہ دھیرے سے چلتی ہوئی اسارہ بھا بھی کے پاس آکھڑی ہوئی۔

”کیا ہوا سے بھا بھی؟“ اس نے بابا جان کے غضبناک موڈ کو دیکھتے ہوئے بھا بھی سے دریافت کیا تھا۔

”ہونا کیا ہے یار! وہی ہمیشہ کی طرح دیر سے آنے پہ جھگڑا، تم جانتی تو ہو کہ اس سلسلے میں کچھ بھی سننا موصوف کے مزاج پہ کتنا ناگوار گزرتا ہے۔“ بھا بھی کی بات سن کر اس نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بابا جان کو دیکھا تھا جو اب لاؤنج میں ادھر سے ادھر ٹہلتے اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے تھے پھر ایک دم رکتے ہوئے انہوں نے ماما جان کی طرف دیکھا تھا۔

”اور بیگم آپ بھی میری ایک بات کان کھول کر سن لیں کہ اگر اب آپ نے اسے ایک روپیہ بھی دیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، آپ کی بے جا ڈھیل نے ہی یہ دن دکھایا ہے ہمیں۔“ ماما جان یوں سب کے سامنے بابا جان کا اتنا غصہ ہونے برداشت نہ کر پائیں تھیں ابھی ان سے بھی زیادہ غصے سے بولیں تھیں۔

”آپ میرے پہ کیوں غصہ ہو رہے ہیں میں نے کیا کیا ہے۔“

”نہیں آپ تو کچھ نہیں کیا ہے اور نہ ہی آپ کا بیٹا کچھ کرتا ہے کرتا تو سب کچھ میں ہی

ہوں پچھتا رہا ہوں اس وقت کو میں نے جب آپ کے کہنے میں آکر اس کی شادی کا فیصلہ کیا تھا۔“ بابا جان آج کچھ زیادہ ہی غصے میں لگ رہے تھے ابھی تو سب کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر سچ بولنے کے موڈ میں تھے لیکن ان کا اتنا سچ بولنا بابا جان سے ہضم نہ ہوا تھا ابھی تو غصے سے چیخ اٹھی تھیں۔

”ہاں کہا تھا میں نے کہ اس کی شادی کر دیں اس یقین کے ساتھ کہا تھا کہ جب اس کو گھر پہ بیوی کا پیار اور توجہ ملے گی تو یہ فضول قسم کی دوستیاں خود ہی چھٹ جائیں گی اب اگر ایسا نہیں ہوا تو اس میں سارا قصور جاذل کا بھی نہیں ہے سمجھے آپ، ہمارے دوسرے دونوں بیٹے بھی شادی شدہ ہیں عمر، ان کی بیویوں کو ہی دیکھ لیں، روحیل پانچ منٹ لیٹ آئے آفس سے تو اسارہ کی جان پہ بن جاتی ہے کہ وہ لیٹ کیوں ہو گیا، زونہ کی نگاہیں ابھی تب تک دروازے پہ لگی رہتی ہیں جب تک ذوہیب گھر نہیں آ جاتا جبکہ جاذل..... وہ گھر آیا یا نہیں اس نے کھانا کھایا یا نہیں، اس سب کی پرواہ اس کی بیوی تو چھوڑ بیوی کی جوتی کو بھی نہیں ہوتی۔“ ماما جان تو اپنا سارا غصہ نکال کر کمرے میں چلی گئیں تھیں ان کے جانے کے بعد بابا جان بھی چلے گئے جبکہ زونہ ڈبڈباتی آنکھیں لے ساکت کھڑی تھی اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ ماما جان یوں سب کے سامنے اس کی ذات کو نارگٹ بنا سکتی ہیں، وہ بھی سب کچھ جانتے ہوئے جاذل کو زونہ سے نفرت ان سے پوشیدہ تو نہ تھی پھر بھی وہ سارا الزام کتنی آسانی سے اس پہ لگا کہ جا چکی تھیں۔

وہ وہیں صوفے پہ بیٹھ کر زار و قطار رونے لگی تھی، اسے اس طرح روتے دیکھ کر ذوہیب عمر خان کو نہ جانے کیا ہوا تھا کہ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا

وہاں سے چلا گیا تھا مگر زونہ کو اس طرح روتے دیکھ کر زونہ کے لبوں پہ طنز یہ مسکراہٹ آٹھری تھی، زونہ کو آنسو بہاتے دیکھ کر اس کے اندر تک ٹھنڈک پڑی تھی کیونکہ اس لڑکی کی وجہ سے اس کا شوہر اس کا ہو کر بھی اس کا نہ تھا اگرچہ وہ اپنے شوہر ہونے کے سارے حقوق و فرائض تو ادا کرتا تھا لیکن اس کے دل تک رسائی پانا زونہ کو ناممکن لگتا تھا اور یہ سب زونہ علی خان کی وجہ سے تھا، روحیل لالہ اور بھا بھی زونہ کو اس طرح روتے دیکھ کر چپ کرانے لگے تھے۔

”تم کیوں روتی ہو، سب جانتے ہیں کہ ماما جان ابھی جو کچھ بھی کہا ہے وہ سچ نہیں ہے۔“ روحیل لالہ نے اس کے برابر بیٹھ کر اس کا سراپے کندھے سے لگاتے ہوئے اٹھ کر کمرے میں آگئی جاذل پچھنچ کر کے نکلا تو وہ صوفے پہ بیٹھی رو رہی تھی اسے دیکھ کر اس کے بیڈ کی طرف بڑھتے قدم وہی رک گئے تھے وہ اسے اپنی طرف دیکھتا پکارا تھا کہ واش روم میں بند ہوگئی۔

”اسے کیا ہوا ہے؟“ اس نے واش روم کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا کیونکہ ابھی کچھ دیر پہلے جو کچھ بھی ہوا تھا وہ بابا جان اور اس کے درمیان ہوا تھا پھر زونہ کے اس طرح رونے کی وجہ اسے سمجھ نہ آئی تھی لیکن اگلی صبح اسے اس کے رونے کی وجہ سمجھ آگئی تھی کیونکہ صبح جب وہ اٹھا تھا تو نہ صرف اس کا استری شدہ سوٹ بیڈ پہ پڑا تھا بلکہ اس کے جوتے بھی پالش کر کے بیڈ کے پاس رکھ دیئے گئے تھے، سوٹ کے اوپر ایک تہہ شدہ کاغذ بھی پڑا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر کاغذ اٹھا لیا۔

”سوری مسٹر خان! آپ کے منع کرنے کے باوجود آج پھر آپ کی چیزوں کو ہاتھ لگا رہی

ہوں آئی نو کہ آپ کو یہ سب اچھا نہیں لگتا اور آپ یہ بات مجھ پہ واضح بھی کر چکے ہیں بٹ آئی ایم ایکسٹریملی سوری کہ آپ کے منع کرنے کے باوجود یہ سب ایک بار پھر کر رہی ہوں، اس لئے کہ یہ آپ کی مدد کی خواہش ہے، آپ کو اگر کوئی اعتراض ہے تو جا کے اپنے مدد سے بولیں اگر وہ مجھے منع کر دیں تو یقیناً نیچے میں یہ غلطی دوبارہ نہیں دہراؤں گی، سوری اگین زونیہ۔“

”آئی نو ویری ویل کہ میرے لئے یہ سب تم اپنی مرضی سے کر بھی نہیں سکتی ہو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے غصے سے کاغذ کو توڑ مروڑ کر دور اچھا ل دیا تھا پھر الماری سے دوسرا سوٹ نکال کر واش روم میں گھس گیا تیار ہونے کے بعد وہ ناشتہ کیے بغیر انتہائی خراب موڈ میں گھر سے نکلا تھا اور سارا دن اس کا موڈ خراب ہی رہا تھا شام کو وہ اریاز کے بیڈ پہ آڑھا تر چھالینا تھا جب شاپلی آئی تھی شاکو دیکھ کر اس کا بگڑا موڈ کسی حد تک بحال ہوا تھا، پھر شاکو کے ساتھ ڈنر کرنے کے بعد وہ کافی حد تک واپس اپنے موڈ میں آچکا تھا گھر اس کی واپسی حسب معمول کافی لیٹ ہوئی تھی، وہ انتہائی خوشگوار موڈ میں کمرے میں داخل ہوا تھا لیکن زونیہ کو جاگتے پا کر جہاں اسے حیرانی ہوئی تھی وہیں اس کے چہرے کے زوایے بدل گئے تھے وہ چیخ کر کے نکلا تو وہ اس کے لئے کھانا لے آئی۔

”کھانا کھالیں۔“ اس نے ٹرے بیڈ پہ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”میں کھا کے آیا ہوں اور پلیز یہ اٹھاؤ مجھے یہاں سونا ہے۔“ اس نے بگڑے لہجے میں ٹرے کی سمت اشارہ کر کے کہا تو وہ چپ چاپ ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی وہ اپنے کھو گئے دماغ کے ساتھ تکیہ درست کر کے لیٹ گیا پہلے بھی جب وہ

اس کا کوئی کام کرتی تھی تو اس کا رد عمل اسی سم کا ہوتا تھا اور اب تو وہ جانتا بھی تھا کہ وہ یہ سب کس وجہ سے کر رہی ہے، اپنے اشتعال پہ قابو پاتے وہ آنکھوں پہ بازو رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا جب تھوڑی دیر بعد وہ پلیٹ میں دودھ کا گلاس رکھے آئی۔

”یہ دودھ۔“ اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے وہ پلیٹ میں دودھ کا گلاس لئے کھڑی تھی وہ کچھ بل اپنی غصے سے سرخ پڑتی آنکھیں لئے اس کی جانب دیکھتا رہا پھر ایک دم اٹھتے ہوئے نہ صرف دودھ کا گلاس اٹھا کر سامنے دیوار پہ دے مارا تھا بلکہ اس کے ہاتھ سے پلیٹ بھی پھینک کر دور پھینک دی تھی۔

”تمہیں میری بات کا اثر کیوں نہیں ہوتا، جب میں ایک دفعہ کہہ چکا ہوں کہ میرے لئے یہ سب مت کیا کرو۔“ وہ اتنے زور سے دھاڑا تھا کہ ایک بل کو تو زونیہ بھی لرز گئی تھی لیکن دوسرے ہی بل اپنے خوف پہ قابو پا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

”میں یہ سب خود سے نہیں کر رہی ہوں اور نہ ہی مجھے کوئی شوق ہے آپ کے ہاتھوں اتنی انسٹ کروانے گا میں آل ریڈی آپ کو بتا چکی ہوں کہ یہ سب آپ کی مدد کی خواہش ہے کیونکہ ان کے خیال میں میں ان کے بیٹے کا خیال بالکل بھی نہیں رکھتی ہوں، وہ خواہوا مجھے قصور وار سمجھ رہی ہیں اور اگر آپ کو یہ سب پسند نہیں ہے تو جا کر ان سے کہیں مجھ سے نہیں، وہ مجھے منع کر دیں تو آپ کو دوبارہ اس طرح چلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“ اس نے جاذل کے غصے سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر کہا تھا تو جاذل کا دل کیا تھا کہ اس کا گلا دبا دے خود پہ ضبط کرتے بھی وہ پھٹ پڑا تھا۔

”مدر..... مدر..... مدر، جب میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے یہ سب پسند نہیں تو کیوں کرتی ہو بار بار یہ سب۔“ وہ ایک بار پھر زور سے جلا رہا تھا تو زونیہ اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھتی باہر نکل گئی جبکہ وہ کتنی دیر تک اپنے خون میں اٹھتے غصے کے ابال کودھاتا رہا تھا۔

☆☆☆

روحیل لالہ نے اس بار واقعی بابا جان کی بات پہ عمل کر دکھایا تھا اور اس مہینے جاذل کے اکاؤنٹ میں پیسے جمع نہ کروائے تھے، وہ ہر ماہ اس کے اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقم جمع کروا دیتے کرتے تھے جس سے اس کا پورا مہینہ آسانی سے گزر جاتا تھا، اپنی گرل فرینڈز کو شائنگ کرواتے اسے کبھی پیسے کی فکر نہ ہوتی تھی اگر کبھی پیسے مہینہ ختم ہونے سے پہلے خرچ ہو جاتے تو وہ بابا جان سے لے لیا کرتا تھا، بینک سے اسے پتہ چلا کہ اس ماہ اس کے اکاؤنٹ میں رقم ٹرانسفر نہیں کرائی گئی تو وہ غصے سے لالہ پیلا ہوتا روحیل لالہ کے پاس آیا تھا۔

”سوری یار! وہ انکچو نیلی بابا کا تو تمہیں پتہ ہی ہے نا، اس بار انہیں کچھ زیادہ ہی غصہ ہے تم پہ اور ان کے سائن کے بغیر رقم تمہارے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر نہیں ہو سکتی۔“ روحیل لالہ کی بات سن کر وہ غصے سے کرسی کو ٹھوکر مارتا آفس سے باہر نکل آیا تھا اور اس وقت تو اس کے غصے کی انتہا نہ رہی تھی جب اگلے دن بابا جان نے بھی اس کو پیسے دینے سے انکار کر دیا تھا، ان کے بقول اس بار وہ بابا جان کی بات سے انحراف کر کے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھیں کیونکہ اس بار بابا جان واقعی بہت غصے میں تھے، پتلی کا برتھ ڈے قریب تھا اس کے پاس اسے گفٹ دینے کے پیچھے نہ تھے، اس کے والٹ میں چند سرخ نوٹ رہ

گئے تھے اسے سمجھ نہ آرہی تھی کہ پیسوں کا ارتخ کہاں سے کرے، اسی سوچ میں گرا وہ اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا تھا زونیہ صوفے پہ بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی اسے دیکھ کر کتاب رکھتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

”کھانا لاؤں۔“ اس نے اس کی بات کا جواب نہ دیا تھا اس کے چیخنے چلانے کے باوجود بھی وہ اپنی بات پہ قائم رہی تھی وہ کچھ بل کھڑا اس کے جواب کا انتظار کرتی رہی پھر باہر نکل گئی تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

”تم کون سی زبان سمجھتی ہو جب میں کتنی بار منع کر چکا ہوں کہ میرے لئے یہ سب مت کیا کرو تو پھر کیوں سمجھ نہیں آتی تمہیں میری بات۔“ دودھ کا گلاس ٹیبل پہ رکھ کر اس نے اس زور سے اس کا بازو پکڑا تھا کہ زونیہ کو اس کی انگلیاں اپنے بازو میں دھنستی ہوئیں محسوس ہوئی تھیں تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

”مسٹر خان! میں بھی آپ کو کتنی بار بتا چکی ہوں کہ میں یہ سب کرنے پہ مجبور ہوں کیونکہ یہ آپ کی ماما جان کا حکم ہے آپ کو اگر کوئی اعتراض ہے تو جا کر ان سے کہیں۔“ اس نے اپنا بازو جاذل کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا تھا، خود پہ بہت ضبط رکھتے ہوئے بھی اس کا لہجہ آج نجانے کیوں تھوڑا بلند ہو گیا تھا۔

پھر وہ اپنے آنسو صاف کرتی ٹیسر پہ آ گئی تھی کتنی دیر تک وہ ٹیسر پہ کھڑی آنسو بہاتی رہی تھی جب سردی کا احساس بڑھنے لگا تو اندر چلی آئی جاذل بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے سگریٹ ہونٹوں میں دبائے نجانے کس سوچ میں تھا وہ چپ چاپ اپنی سائیڈ پہ آکر لیٹ گئی اور آنکھوں

پہ بازو رکھ لیا، لیکن دوسرے پل ایک گہرا سانس خارج کرتے اس نے کروٹ بدلی تھی کہ یہ سزا تو اس نے خود تجویز کی تھی اپنے لئے تو پھر اب رونا کیسا اس نے بے دردی سے آنکھوں میں آتے انسوؤں کو رگڑ ڈالا تھا اور سونے کی کوشش کرنے لگی آخر کچھ درمی بعد نیند کی دیوی اس پہ مہربان ہو ہی گئی تھی جبکہ جاذل سگریٹ پہ سگریٹ پھونکتا سوچ رہا تھا کہ اب پیسوں کا انتظام کہاں سے کرے، روکیل لالہ نے بھی انکار کر دیا تھا ماما جان نے بھی اس دفعہ پیسے نہ دیئے تھے اور وہ جانتا تھا کہ جتنے سخت انداز میں بابا جان نے ان کو منع کیا تھا وہ کبھی بھی اس کو پیسے نہیں دیں گی، اپنا خالی ہوتا والٹ اس کی پریشانی کا باعث تھا، اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ شا کے برتھ ڈے گفٹ کے لئے پیسے کہاں سے لے۔

ثناء نے فرمائش کی تھی کہ اس دفعہ برتھ ڈے پہ جاذل اس کو اچھا سا موبائل سیٹ گفٹ کرے یہی سب سوچتے اس نے آدھ جلا سگریٹ سائیڈ ٹیبل پہ پڑی آئین ٹرے میں پھینکا اور تکیہ درست کر کے لیٹ گیا لیکن اس پریشانی میں اسے نیند نہیں آرہی تھی وہ پریشان سا کروٹیں بدل رہا تھا اس نے دائیں طرف کروٹ بدلی تو نظر گہری نیند میں سوئی زونہ پہ پڑی تھی، لیکن جب نظر اس کے چہرے سے ہوتے ہوئے اس کے سینے پہ رکھے اس کے بازو پہ گئی تو اسے ایک دم اپنی ساری پریشانی دور ہوتی محسوس ہوئی تھی اس کے بازو پہ چمکتی سونے کی دو عدد چوڑیاں جاذل عمر خان کی ساری پریشانی ختم کر گئیں تھیں اس کی آنکھیں ایک دم مسکرائے لگیں تھیں وہ حیران ہوا تھا کہ پہلے اس طرف اس کا دھیان کیوں نہیں گیا تھا اور وہ اتنی اچھی آپشن کے موجود ہوتے ہوئے دوسروں سے پیسے کیوں مانگ رہا تھا پھر مسکراتے لیوں

سے اس نے ہاتھ بڑھا کر سوئی ہوئی زونہ کو اس کے اسی بازو سے پکڑ کر اپنے قریب کھینچ لیا گہری نیند میں سوئی زونہ اس حیلے کے لئے قطعی تیار نہ تھی اسے بالکل سمجھ نہ آئی تھی کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے اس لئے اس کی چیخ نکل گئی تھی لیکن جاذل نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اس کی چیخ کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

”سوری مسز میں یہ بھی یہ سب اپنی مرضی سے ہر گز نہیں کر رہا ہوں یہ میرے پیرنس کی خواہش ہے، ایجوکیٹیو انہیں ہمارے بچے دیکھنے کی بڑی حسرت ہے اس لئے میں نے سوچا ہے کہ چلو ان کی اس خواہش کو تو پورا کر دیا جائے۔“ اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے گنبد لہجے میں کہا تھا تو اس کی بات پہ زونہ کو اپنا سارا وجود سن سا ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے ساتھ چھوڑتے حواس کو بحال کیا تھا اور اپنا پورا زور لگا کر خود پہ جھکے جاذل کو پیچھے دھکیلتے ہوئے بیڈ سے اٹھی تھی وہ تیزی سے دروازے کو لپکی تھی لیکن جاذل اپنے لمبے چوڑے بے حد وجہ سراپے سمیت اس کی راہ میں ایستادہ ہو گیا تھا۔

”اوہو مسز کہاں بھاگی جا رہی ہیں بھئی! آپ تو بڑی فرمانبردار بہو ہیں سو پلیز اب ایک فرمانبردار بیوی کا رول لے کر تے ہوئے میرا بھی اپنے پیرنس کی خواہش پوری کر کے ایک فرمانبردار بیٹا بننے میں تھوڑا سا تھک دیں۔“ اس نے زونہ کے کانپتے وجود پہ نظریں جماتے ہوئے کہا تھا اور ایک ایک قدم اٹھاتا اس کی سمت بڑھا تھا، اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر زونہ کا تو جیسے سارا خون خشک ہونے لگا تھا جاذل نے اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ پہ کھینچا تھا زونہ نے اپنے دہود کی ساری توانائیاں جمع کر کے خود کو چھڑوانے کی

پوری کوشش کی تھی لیکن اس کی مضبوط گرفت سے خود کو آزاد نہ کر سکی تھی۔

”جج..... جاذل..... فار گاڈ سیک، چھوڑ دیں مجھے۔“ اس کے اونچے لمبے توانا وجود کے سامنے اسے اپنی ساری مذاحمت رائیگاں جاتی محسوس ہوئی تو رودی تھی جاذل نے بہت دھیان سے اس کے پسینے پسینے ہوتے وجود اور بھیگی آنکھوں کو دیکھا تھا اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی۔

”ارے میری جان ایسے کیسے چھوڑ دوں، بدلے میں مجھے بھی تو کچھ چاہیے۔“ اس کی بات پہ زونہ نے چونک کر اپنی بھیگی پلکیں اٹھا لیں تھیں اسے اپنی جانب دیکھتے پا کر وہ مزید گویا ہوا۔

”بھئی دیکھو نا اپنے حق سے دستبردار ہونا اتنا آسان تو نہیں ہوتا اس کے لئے کوئی قیمت تو ہونی چاہیے۔“

”کک..... کیا چاہیے آپ کو۔“ زونہ نے نہ سمجھانے والے انداز میں اس کے چہرے کو دیکھا تھا اور کانپتی آواز میں دریافت کیا تھا تو جاذل نے مسکرا کر اس کا چوڑیوں والا بازو پکڑا اور اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا اس کے چہرے سے ہوتی ہوئی زونہ کی نگاہ اپنے بازو پہ جا ٹھہری تھی وہ لمحے کے ہزاروں حصے میں اس کی بات کا مفہوم سمجھ چکی تھی۔

”ٹھٹ..... ٹھیک ہے لے لیں، لیکن پلیز پہلے مم..... مجھے چھوڑیں۔“ اس نے اپنے دھڑکتے دل پہ قابو پاتے ہوئے کانپتی آواز میں کہا تھا تو جاذل اسے چھوڑتے ہوئے سیدھا ہو گیا تھا، اس کے پیچھے ہٹتے ہی زونہ نے تیزی سے اپنی کلائی سے چوڑیاں اتار کر بیڈ پہ رکھ دیں اور خود اپنے آنسو صاف کرتی دوپٹہ سنبھال کر کمرے سے باہر جانے لگی تھی، جب پیچھے سے جاذل کی

آواز سنائی دی تھی۔

”مسز اب اس بات کا پتہ گھر میں کسی کو نہیں لگنا چاہیے ورنہ.....“ وہ اثبات میں سر ہلاتی باہر نکل گئی تو جاذل بیڈ پہ پڑی چوڑیاں اٹھا کر مسکرانے لگا تھا۔

☆☆☆

ذوہیب آفس سے آیا تو ماما جان کو لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھے دیکھ کر وہیں ان کے پاس ہی بیٹھ گیا، اسے شاید بخار ہو رہا تھا بھی تو پورا جسم درد کر رہا تھا۔

”ناجی ایک کپ چائے تو بنا دو۔“ اس نے ماتھے کو انگلیوں کی پوروں سے دباتے ہوئے کہا تھا۔

”کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر ماما جان کو تشویش ہوئی تھی بھی استفسار کیا تھا۔

”کچھ نہیں بس سر میں درد محسوس ہو رہا ہے، لگتا ہے بخار ہو جائے گا۔“ اس نے صوفے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا تو ماما جان نے اسے اچھا خاصا ڈانٹ دیا تھا کہ اسے گھر آنے سے پہلے ڈاکٹر کو دیکھا کر میڈیسن لینی چاہیے گی۔

”اوہو ماما جان کچھ نہیں ہوا ہے، چائے کے ساتھ پینا ڈول لیتا ہوں تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔“ پھر چائے ساتھ کے ساتھ پینا ڈول لے کر وہ وہیں صوفے پہ ہی لیٹ گیا تھا ابھی اسے لیٹے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ رومیلہ چلی آئی۔

”ارے آپ یہاں لیٹے ہیں میں کب سے آپ کا انتظار کرتے پریشان ہو رہی تھی کہ آپ ابھی تک آفس سے کیوں نہیں آئے۔“ اس نے ذوہیب کو لاؤنج میں لیٹے دیکھ کر کہا تھا۔

”کیوں خیریت۔“ اس نے رومیلہ کے سجے سنورے سراپے پہ تنقیدی نگاہوں سے دیکھتے

ہوئے دریافت کیا تھا حالانکہ اس کی تیاری دیکھ کر وہ جان گیا تھا کہ ضرور اسے کہیں جانا ہوگا ایک تو وہ اس کی اس عادت سے بہت تنگ آچکا تھا کہ ہر دوسرے روز اسے میکے کی یاد ستانے لگتی تھی اسے اس کے میکے جانے یہ اعتراض نہ تھا بلکہ وہ تو کچھ دیر کے لئے ہی سہی رومیہ سے جان چھوٹنے پہ شکر کا سانس لیتا تھا اسے کوفت تب ہوتی تھی جب وہ گھر میں ڈرائیور اور گاڑی کے موجود ہوتے ہوئے بھی اس کے ساتھ جانے پہ بضد ہوتی تھی اور اب بھی یہی ہوا تھا، جب ذہیب نے اس کے ساتھ جانے سے یہ کہتے ہوئے انکار کیا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے وہ ڈرائیور کے ساتھ چلی جائے تو اس کی بات پہ رومیہ کی تیوری جڑھ گئی تھی۔

”اگر مجھے ڈرائیور کے ساتھ ہی جانا ہوتا تو میں اتنی دیر آپ کا انتظار نہ کرتی اور مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ کو جب بھی میرے ساتھ کہیں جانا پڑے تو آپ کا موڈ اس قدر خراب کیوں ہو جاتا ہے۔“ ذہیب کے انکار پہ وہ آگ بگولہ ہو کر کافی تیز آواز میں بولی تھی جس پہ ذہیب کو بھی غصہ آگیا۔

”اور مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ تم گھر پہ تک کر کیوں نہیں بیٹھتی ہو، کبھی باہر ڈر کرنا ہوتا ہے تو کبھی شاپنگ، کبھی ماما کے ہاں جانا ہوتا ہے تو کبھی کسی اور رشتے دار کے ہاں جانے کو تیار، آئے دن تمہیں کہیں نہ کہیں جانا ہوتا ہے کبھی گھر پہ بھی توجہ دی ہے، میرے آفس سے آنے کے بعد بھی چائے پانی یا کھانے کا بھی پوچھا ہے، کبھی گھر کے کسی کام میں بھی دلچسپی لی ہے، اس گھر میں دو بہوئیں اور بھی ہیں تم کوئی آسمان سے اتری ہوئی نہیں ہو کہ تم سیر سپائے کرو اور وہ گھر کے کام۔“ رومیہ کو سخت نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس نے

انتہائی سخت لہجے میں کہا اور اٹھ کر کمرے میں چلا گیا تو رومیہ نے اپنی اس قدر بے عزتی پہ ماما جان کی طرف دیکھا تھا۔

”آپ دیکھ رہی ہیں نا خالہ جانی اس شخص کو جب بھی اسے میرے ساتھ کہیں جانا ہوتا ہے اسی طرح کرتا ہے یہ۔“ بات کرتے کرتے اس کا لہجہ بھیک گیا تھا پھر وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی تھی تو ماما جان کی تو گویا جان پہ بن گئی تھی وہ بھلا اپنی لاڈلی چہیتی بھانجی کو اس طرح روتے ہوئے کیسے دیکھ سکتی تھیں، انہوں نے فوراً اٹھ کر رومیہ کو اپنے ساتھ لگا کر اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

”ارے نہیں بیٹا ایسی بات ہیں ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے تھوڑا سا چڑچڑا ہوا رہا ہے۔“ تو ان کی بات پہ رومیہ کا موڈ بگڑ گیا تھا۔

”جی مجھے دیکھتے ہی ان کی طبیعت خراب ہونے لگتی ہے اور ایسا کس کی وجہ سے ہوتا ہے مجھے بہت اچھی طرح پتہ ہے اور آپ بھی نا خالہ جانی آپ کو پتہ تھا کہ وہ زونہ سے کتنی محبت کرتا ہے تو پھر آپ کو زونہ کی شادی جاذل لالہ سے کرنے کی کیا ضرورت تھی، ہر وقت تو نظر آتی ہے وہ منحوس اس کو اس گھر میں، ایسے میں میرے ساتھ تو وہ ایسا ہی کرے گا۔“ رومیہ کی بات پہ ماما جان خاموش ہو گئیں تھیں کہ کہہ تو وہ بھی صحیح رہی تھی ان کو بھی اب اکثر اپنی غلطی کا احساس ہوتا تھا اگر انہیں تب اس بات کا اندازہ ہوتا تو وہ کبھی بھی یہ فیصلہ نہ کرتیں، اس وقت تو ان کے سر پہ بس ایک ہی بات سوار تھی کہ کسی طرح ذہیب کی شادی رومیہ سے ہو جائے اور زونہ علی خان اس شادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی جسے راستے سے ہٹانے کا انہیں اس وقت بس یہی حل نظر آیا تھا اس طرف تو تب ان کا دھیان ہی نہ گیا

تھا ان کا خیال تھا کہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا، لیکن ایسا نہ ہوا تھا ذہیب نے اگرچہ رومیہ کو بیوی کا درجہ تو دے دیا تھا لیکن اس کے دل میں ابھی تک زونہ ہی تھی یہ بات رومیہ نہ بھی کہتی تب بھی ماما جان بخوبی جانتی تھیں ماما جان کچھ بل روتی ہوئی رومیہ کو دیکھتی رہیں، پھر آگے ہو کر ایک بار پھر اس کے آنسو صاف کیے تھے اور بہت آہستہ آواز سے بولیں تھیں۔

”او کے میں مانتی ہوں کہ میں نے یہ غلطی کی ہے تو اب اس کو سدھاروں گی بھی میں ہی۔“ رومیہ نے بے یقینی سے ان کو دیکھا تھا۔

”یہ تم مجھ پہ چھوڑ دو، ان آنسوؤں کو اس آنکھوں میں نہ سجایا جس کی وجہ سے تم روتی ہو تو میرا نام بدل دینا۔“ ماما جان نے رومیہ کے کندھے کو ہٹکتے ہوئے انتہائی نفرت سے کہا تھا، پھر رومیہ تو ڈرائیور کے ساتھ میکے چلی گئی جبکہ ماما جان وہاں بیٹھی سوچ رہی تھیں کہ انہیں زونہ کا اب کیا کرنا تھا، وہ ان کی اکلوتی بھانجی کی خوشیوں کی سب سے بڑی دشمن تھی اور اس دشمن کا انہیں کچھ نہ کچھ تو ضرور کرنا تھا، یہی سب سوچتے ہوئے ایک خیال سرعت سے ان کے ذہن میں آیا تھا اور دوسرے ہی بل وہ وہاں بیٹھی مسکرا رہی تھیں۔

☆☆☆

رویل لالہ کے چھوٹے بیٹے حنظلہ کا برتھ ڈے تھا گھر پہ ایک پارٹی کا ارنج کیا گیا تھا جس میں بھابھی کے میکے والوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی مدعو تھے، بھابھی کچن میں تھیں تو زونہ نے سوچا کہ وہ ان کے فارغ ہونے تک ایشبہ اور حنظلہ کو تیار کر دیتی ہے۔

”زونہ اب تم بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ، مہمان آتے ہی ہوں گے۔“ وہ حنظلہ کو جوتے

پہنا رہی تھی جب بھابھی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا، وہ اپنے کمرے میں چلی آئی وہ دروازہ بند کر کے مڑی تو نظر واکش روم سے نکلتے جاذل پہ پڑی، وہ گیلے بالوں کو ٹاول سے رگڑتا باہر نکلا، تو زونہ کو دیکھ کر وہیں رک گیا تھا اس رات کے واقعے کے بعد وہ اپنی موجودگی میں آج زونہ کو کمرے میں دیکھ رہا تھا، کیونکہ اس رات کے بعد وہ شابی لالہ کے کمرے میں سونے لگی تھی، وہ صبح جلدی اٹھ جاتی تھی اس لئے گھر میں کسی کو بھی اس بات کی خبر نہ تھی اس پہ نگاہ پڑتے ہی جاذل کے ہونٹوں پہ ایک بھرپور مسکراہٹ سج گئی تھی اسے یوں اپنی طرف دیکھتے اور مسکراتے پا کر زونہ ایک بل کو کنفیوژ ہوئی تھی لیکن پھر خود پہ قابو پا کر تیزی سے الماری کی طرف بڑھی اور گپڑے نکال کر واکش روم میں گھس گئی جب وہ چھینچ کر کے نکلی تو وہ آئینے کے سامنے کھڑا بال بنارہا تھا اس کی طرف دیکھنے سے گریز برتتے ہوئے وہ الماری کی سمت بڑھ گئی جیولری نکالنے کے لئے اس نے جیسے ہی دراز کھولا اسے اپنے پاؤں کے نیچے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، وہ الماری کا پیٹ تھامے ساکت سی خالی دراز کو گھورے جا رہی تھی، پھر اس نے وہ دراز تو کیا ساری الماری کنگال لی تھی لیکن جیولری وہاں ہوتی تو ملتی وہ سارا زینور اس دراز میں ہی رکھتی تھی پھر زینور کہاں گیا اسی سوچ میں اس کی نگاہیں جاذل پہ جا پھری تھیں اسے یقین تھا کہ جیولری جاذل نے ہی اٹھائی ہے، جاذل جو آئینے کے سامنے کھڑا بالوں کو برش کر رہا تھا آئینے میں سے اسے یوں اپنی طرف گھورتے پا کر اس کی طرف مڑا تھا، وہ سوچ میں گری اسے ہی دیکھ رہی تھی کہ جاذل کے مڑ کے دیکھنے پہ بھی اس کی محویت نہ ٹوٹی تھی جاذل کافی حیران ہوا تھا کہ وہ تو اس کی

طرف دیکھ کر بات نہ کرتی تھی پھر ایک دم اسے شرارت سوجھی تھی۔

”اوہیلو، ایسے کیا دیکھ رہی ہیں، کیا بہت اچھا لگ رہا ہوں۔“ اس نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر کہا تھا تو زونہ جیسے ایک دم ہوش میں لوٹی تھی پھر مشکوک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے باہر نکل گئی۔

جب وہ نیچے پہنچی کافی مہمان آچکے تھے، وہ سارا وقت یہ سوچ کر ہی پریشان ہوتی رہی کہ آیا یہ بات اس کو گھر میں کسی کو بتانی چاہیے یا نہیں لیکن یہ کوئی معمولی بات نہ تھی لاکھوں کا زیور تھا پھر اگر ماما جان کو پتا چل جاتا تو انہوں نے زونہ کو ہی سود الزام ٹھہرانا تھا کہ اس نے ہی زیور سنبھال کر نہ رکھا ہوگا۔

مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد سب سونے کے لئے اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ اسارہ بھابھی کے کمرے میں چلی آئی اور جب اس نے زیور والی بات روحیل لالہ اور بھابھی کو بتائی تھی تو ایک لمحے کو وہ دونوں بھی چپ سے رہ گئے تھے گھر میں آج تک کبھی کوئی چوری نہ ہوئی تھی تمام ملازم قابل بھروسہ تھے پھر یہ کام کون کر سکتا تھا وہ دونوں بخوبی جانتے تھے۔

”مجھے پتا تھا کہ ایسا ہی ہوگا، سمجھایا تھا بابا جان کو کہ اس کے اکاؤنٹ میں پیسے ٹرانسفر کروا دیں چلو انہیں بھی مزہ تو آیا، آج گھر میں چوری کی ہے کل کو باہر ڈاکے ڈالے گا پھر خوب نام روشن ہوگا ہمارے بابا جانی کا، شراب پینا، نکلے نکلے کی عورتوں کو ساتھ لئے پھرنا، یہ سب کچھ تو کر چکا یہ کسر رہتی تھی لو آج وہ بھی پوری ہوگئی۔“ روحیل لالہ مٹھیاں بھینچے گویا پھٹ پڑے تھے، پھر زونہ کا بازو تھام کر باہر کو لپکے تھے۔

”چلو میرے تھا اور جا کے بتاؤ بابا جان اور

ماما کو ان کے بیٹے کے کارنامے۔“ اور پھر تھوڑی دیر بعد جاذل عمر خان بابا جان کی عدالت میں کھڑا تھا۔

”اپنے ہی گھر سے اپنی ہی بیوی کا زیور چوری کرتے ہوئے تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آتی، لیکن شرم ہوتی تو آتی۔“ بابا جان کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کو کوئی سے اڑا دیں وہ پتہ نہیں کیسے خود پہ کنٹرول رکھے ہوئے تھے اور کنٹرول تو خود پہ جاذل عمر خان بھی بہت رکھے ہوئے تھا اس کا بس نہ چل رہا تھا ورنہ زونہ کا تو گلا دبا دیتا جس نے اس کے منع کرنے کے باوجود بھی چوڑیوں والی بات بابا جان کو بتا دی تھی، وہ یہی سمجھا تھا کہ چوڑیوں کی بابت کی بات ہو رہی ہے، وہ لب بھینچے اپنے اشتعال کو کنٹرول کرتے زونہ کو گھور رہا تھا جس پہ بابا جان کو اور غصہ آگیا تھا۔

”اسے کیوں گھور رہے ہو اس لئے کہ اس نے تمہارے کرتوت سب کو بتا دیئے ہیں، پچھتا رہا ہوں میں کہ تمہیں پڑھنے کے لئے باہر کیوں بھیجا فضول میں اپنا اتنا پیسہ ضائع کیا، یہیں کہیں چوروں کے گروہ میں چھوڑ دیتا، جب یہی سب کچھ کرنا تھا تو کم از کم ٹریننگ حاصل کر کے نامی گرامی چور تو بنتے۔“ بابا جان کی بات پہ وہ آگ بگولہ ہو گیا تھا۔

”میں نے کوئی چوری نہیں کی ہے اس کے سامنے لے کر گیا تھا اس نے خود دیا تھا اپنی مرضی سے۔“ اس نے زونہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو سب کی حیران و بے یقین نگاہیں زونہ پہ آئیں تھیں، جس پہ ایک پل کو تو چکرا کے رہ گئی تھی کہ زیور اس نے کب دیا تھا اور وہ بھی اپنی مرضی سے، لیکن چپ رہنے کا مطلب سارا الزام اپنے سر لینا تھا۔

”نہیں بابا جان میں نے صرف چوڑیاں

دی تھیں، وہ بھی اپنی مرضی سے نہیں یہ زبردستی لے کر گئے تھے، باقی زیور انہوں نے کب چرایا ہے مجھے نہیں معلوم۔“ سب کی نظریں خود پہ جمی پائے کردہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی تھی تو جاذل نے نہ سمجھنے والے انداز میں اس کو دیکھا تھا وہ تو یہی سمجھا تھا کہ بابا جان چوڑیوں کے متعلق پوچھ رہے ہیں لیکن یہاں تو معاملہ ہی اور لگ رہا تھا اور سارا الزام اس پہ آ رہا تھا اور الزام بھی کوئی اور نہیں اس کی اپنی بیوی لگا رہی تھی جس پہ وہ انگاروں پہ لوٹ گیا تھا۔

”باقی زیور، باقی زیور کون سا، میں کیوں چراؤں گا تمہارا زیور، تم نے مجھے چور سمجھ رکھا ہے تمہاری جرات کیسے ہوئی ہے مجھ پہ الزام لگانے کی۔“ وہ پھرے ہوئے شیر کی مانند اس پہ جھپٹا تھا اگر روحیل لالہ درمیان میں آتے تو وہ شاید اس کا گلا دبا دیتا۔

”اب یہ بات نہ کرو یا ایک تو چوری اور پر سے سینہ زوری۔“ روحیل لالہ کی بات پہ اس نے تو غصے سے لب بھینچ لئے تھے لیکن ماما جان جو پاس کھڑی سب کچھ سن رہی تھیں روحیل لالہ کی بات پہ فوراً بول پڑیں تھیں۔

”لیکن روحیل ضروری تو نہیں ہے کہ زیور جاذل نے ہی چرایا ہے وہ بھلا اتنی گری ہوئی حرکت کیوں کرے گا یہ کام کوئی ملازم بھی تو کر سکتا ہے۔“ ماما جان کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ بابا جان کی توپوں کا رخ ان کی طرف ہو گیا تھا۔

”خدا کے لئے بیگم آپ تو چپ ہی رہیں آپ کی بے حاشی داری نے ہی آج یہ دن دکھایا ہے ہمیں لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے بہت برداشت کر لیا میں نے اس کی حرکتوں کو اب اور نہیں اسے کہیں چلا جائے اس گھر سے میں ہر چیز برداشت کر سکتا ہوں لیکن ایک چور کے لئے

میرے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔“ بابا جان نے چہرے کے سخت تاثرات سمیت کہا تھا تو جاذل عمر خان سامنے کھڑے اپنے باپ کے چہرے کو دیکھ گیا تھا۔

اگرچہ محبت تو وہ اس سے پہلے بھی نہ کرتے تھے لیکن اپنے لئے اتنی نفرت اتنی دشمنی ان کے چہرے پہ اس نے اس سے پہلے نہ دیکھی تھی لیکن وہ انہیں اپنے بے گناہی کا یقین کیسے دلاتا کہ اس پہ الزام کسی اور نے نہیں اس کی اپنی بیوی نے لگایا تھا اس گھر میں رہنے والوں کی رائے اس کے بارے میں پہلے اچھی تو نہ تھی لیکن آج رہتی سہتی کسر بھی پوری ہو گئی تھی اور یہ سب زونہ علی خان کی وجہ سے ہوا تھا، تو بہن غصے اور بے بسی کے ملے جلے احساسات سے اس کا چہرہ ہی سرخ نہ ہوا تھا اس کی آنکھیں بھی لہو رنگ ہو گئی تھیں۔

”بہت برا کیا ہے تم نے زونہ علی خان، بہت برا لیکن میرے ساتھ نہیں اپنے ساتھ اس سب کی تمہیں بہت بڑی سزا بھگتنی پڑے گی اب جو کچھ میں تمہارے ساتھ کروں گا تمہیں شاید اندازہ بھی نہیں ہے۔“ اس نے اپنی سرخ انگارہ آنکھیں زونہ پہ نکاتے ہوئے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

”جاذل رکو، جاذل میرے بچے میری بات سنو۔“ ماما جان اس کے پیچھے لپکیں تھیں لیکن بابا جان کی آواز پہ ان کے قدم دروازے کے فریم میں ہی جم گئے تھے۔

”بیگم اگر آپ کو اس سے اتنی ہی محبت ہے تو چلی جائیے اس کے ساتھ لیکن یہ طے ہے کہ اب میں اس کو اس گھر میں ایک لمحہ بھی برداشت نہیں کروں گا۔“ بابا جان نے دو ٹوک الفاظ میں کہا تھا اور وہاں سے اٹھ گئے تھے ان کے جانے کے بعد ماما جان نے ایک تہر بھری نگاہ سامنے صوفے

پہنچی زونہ یہ ڈالی تھی۔

”تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ زیور جاذل نے ہی جوایا ہے، شرم آتی چاہیے تھی اپنے ہی شوہر پہ اتنا گھٹیا الزام لگاتے ہوئے۔“ پھر ماما جان تو درشت نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کمرے میں چلی گئیں جبکہ زونہ کی آنکھیں یہ سوچ کر ڈبڈبا گئیں تھیں کہ اگر وہ نہ بتاتی اور کل کو کسی طرح یہ بات کھل جاتی تو پھر بھی ماما جان نے اس کو ہی مود الزام ٹھہرانا تھا اور اب جب اس نے بتا دیا تو تب بھی وہی مجرم تھی، پتا نہیں ماما جان کو اس سے اتنی نفرت کیوں تھی۔

☆☆☆

وہ بیڈ پہ نیم دراز سگریٹ ہونٹوں میں دبائے نجانے کس سوچ میں گم تھا جب سائینڈ ٹیبل پہ پڑا اس کا موبائل بجنے لگا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا لیا، لیکن فون کی سکرین پہ چمکتے ”ماما جان کالنگ“ کے الفاظ دیکھ کر بند کر دیا۔

ایک ہفتہ ہو گیا تھا اسے یاور کے فلیٹ پہ رہتے ہوئے اور اس دوران ماما جان کئی بار فون کر چکیں تھیں لیکن وہ ہر بار ان کا نمبر دیکھتے ہی کال کاٹ دیتا تھا اس بار بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا لیکن فون پھر سے بجنے لگا تھا وہ کچھ دیر موبائل کو گھورتا رہا پھر اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

”جی فرمائیں اب کیا کہنا ہے آپ کو اگر کوئی کسر چھوڑ دی ہے آپ کے شوہر نامہ دار نے تو وہ اب آپ پوری کر دیں۔“ اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

”میری بات جاذی ایسے نہیں کہتے، بابا ہیں وہ تمہارے اور ویسے بھی کچھ ہوا اس میں ان کا کیا قصور تم یہ چوری کا الزام تو تمہاری بیوی نے لگایا ہے۔“ ماما جان کی بات وہ لب بھینچ گیا تھا پھر اس نے کچھ بھی سنے بغیر فون بند کرے بیڈ پہ پھینک

دیا، ماما جان کی آخری بات نے اس کے اندر آگ بھڑکا دی تھی۔

”بیوی ہونہ، اس لڑکی نے اسے سب کے سامنے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا۔“ وہ اٹھ کر کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگاتا خود پہ ضبط کرنے لگا، کچھ دیر وہ چکر لگاتے نجانے کیا سوچتا ہا پھر ایک فیصلے پہ پہنچتے ہوئے اس نے فون اٹھا کر ثنا کا نمبر ملایا تھا، ثنا کے کال ریسیو کرتے ہی اس نے جو بات کی تھی اسے سننے کے بعد ثنا کو کتنے ہی بل اپنی سماعتوں پہ یقین نہ آیا تھا، جاذل عمر خان کی بیوی بننے کا خواب تو وہ کب سے دیکھ رہی تھی لیکن اس کا یہ خواب بھی حقیقت کا روپ دھار لے گا اس بات کا یقین نہ تھا اسے ثنا کو خاموش پا کر وہ پتہ ہیں کیا سمجھا تھا بھی بولا تھا۔

”ثناء آئی نو کہ تم کیا سوچ رہی ہو، اس لئے میں ایک بات کلیر کر دوں کہ میں تم سے شادی اپنی دائف کو ذاتی ورس دینے کے بعد ہی کروں گا بہر حال پھر بھی تم سوچ لو فیصلہ تمہیں کرنا ہے تمہارے پاس دو دن ہیں دو دن بعد مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا، بس تمہاری کال کا انتظار کروں گا۔“ فون بند کرتے ہوئے اسے پورا یقین تھا کہ ثنا کی طرف سے ہاں ہی ہوگئی اور ایسا ہی ہوا تھا ہنگی نے اگلے دن ہی فون کر کے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا ثنا اتنی اچھی آسامی کو ہاتھ سے کیسے جانے دے سکتی تھی وہ اگر اپنی بیوی کو طلاق نہ بھی دیتا تب بھی وہ اس سے شادی کر لیتی اور اب تو وہ یہ بھی کر رہا تھا۔

یاور کو پتہ چلا تو گنگ رہ گیا، پھر کافی دیر بعد بولا تھا۔

”نہیں خان تو ٹھیک نہیں کر رہا ہے یار، تجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔“

”اچھا اور جو میرے ساتھ ہو رہا ہے وہ

ٹھیک تھا تو بتا اگر تیری بیوی یوں بھرے مجھے میں تجھ پہ اس طرح گھٹیا الزام لگا کر بے عزت کرتی تو، تو کیا کرتا۔“ یاور کی بات پہ وہ پھٹ پڑا تھا، یاور کچھ بل اس کے غصے کی شدت سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتا رہا پھر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

”آئی نو خان کہ تمہارے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوا ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے، بھابھی کو تم یہ یوں الزام نہیں لگانا چاہیے تھا لیکن اس میں اتنا تصور ان کا بھی نہیں ہے یار یہ بھی تو سوچو کہ جس طرح کی ہم لوگوں کی سرگرمیاں ہیں ایسے میں ہماری بیویاں ہم کتنا اعتبار کر سکتی ہیں سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ ہمارے ساتھ رہ سکتی ہیں یہ کتنی بہت ہے اعتبار، اعتماد تو بہت دور کی بات ہے، میں تو تمہیں یہ ہی مشورہ دوں گا کہ ایسا مت کر۔“

یاور کی آخری بات پہ وہ سلگ کر رہ گیا تھا۔

”تو ایسا کہہ سکتا ہے کیونکہ یہ سب تیرے ساتھ نہیں ہوا ہے۔“ پھر یاور کے بہت منع کرنے پہ بھی اس نے اپنا فیصلہ نہ بدلا تو وہ مجبوراً یاور کو اس کی ٹیبلٹی کو آگاہ کرنا پڑا تھا، اس نے رو جیل لالہ کو فون پہ ساری بات بتا دی تھی اس کی بات پہ رو جیل لالہ کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا رات کو ڈر پہ جب یہ بات انہوں نے بابا جان کو بتائی تھی تو وہ بھی شاگد رہ گئے تھے، زونہ جو پانی کا جگ لے کر آرہی تھی ان کی بات پہ جگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا، آواز پہ سب کی نظر اس کی سمت اٹھی تھی وہ ساکت و صامت رو جیل لالہ کو دیکھے جا رہی تھی۔

”زونہ!“ اس سے پہلے کہ رو جیل لالہ اٹھ کر اس تک پہنچتے وہ جھٹکے سے مڑی تھی اور دوڑتے ہوئے اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی تھی، رو جیل لالہ اور بھابھی کے کئی بار دستک

دینے پہ بھی اس نے دروازہ نہ کھولا تھا، بابا جان بھی کھانا کھائے بغیر ٹیبل سے اٹھ گئے تھے، ذوہیب علی خان کی بھوک بھی اڑ چکی تھی۔

”نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے، ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دوں گا میں۔“ وہ ایک جھٹکے سے کرسی پیچھے دھکیلتے ہوئے اٹھ گیا تھا ذوہیب کے اس طرح اٹھ کر جانے پہ ماما جان نے رو میلہ کو اشارہ کیا تھا اور پھر دونوں مسکرا دیں تھیں، گھر کا ہر فرد پریشان تھا سوائے ان دونوں کے وہ دونوں اپنے پلان کے پہلے سٹیپ کے کامیابی سے ہمکنار ہونے پہ بہت خوش تھیں۔

☆☆☆

اگلا پورا دن ذوہیب نے آفس میں یہ سوچتے ہوئے گزارا تھا کہ وہ جاذل کو ایسا کرنے سے کیسے باز رکھے، شام چار بجے وہ ایک فیصلہ کرتا آفس سے نکل آیا تھا تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ یاور کے گھر پہ تھا۔

”جاذل دیکھو کوئی تم سے ملنے آیا ہے۔“ یاور اسے جاذل کے پاس چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا تو جاذل نے تیوری چڑھا کر ذوہیب کو دیکھا تھا۔

”مجھ سے یعنی ایک چور سے ملنے کی ضرورت آپ کو کیوں پیش آگئی مسٹر ذوہیب عمر خان۔“ اس کی بات پہ ذوہیب چپ سا اسے دیکھے گیا تھا اسے سمجھ نہ آرہی تھی کہ وہ بات کہاں سے شروع کرے، ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ جاذل کا موبائل بجنے لگا سکرین پہ جگمگاتے نمبر کو دیکھنے کے بعد اس نے ذوہیب کو دیکھا تھا، ثنا کی کال تھی جاذل کو دیکھتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔

”ثنا میں تم سے تھوڑی دیر میں ملتا ہوں۔“ اپنی بات کہہ کر اس نے فون بند کر کے جیب میں

ڈالا اور ذویب سے بولا تھا۔

”بولو بھی کیا بات کرنا ہے، ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔“ ذویب نے بہت دھیان سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا جس پہ دنیا جہاں کے بے زاری چھائی ہوئی تھی وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جاذل عمر خان کو سمجھانا یا کسی کام سے باز رکھنا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک تھا، وہ تو ان لوگوں کی بھی بہت کم سنتا تھا جن کے ساتھ اس کی گاڑھی چھنتی تھی اور ذویب کے ساتھ تو اس کے تعلقات کبھی بھی خوشگوار نہ رہے تھے، اگرچہ تعلقات تو اس کے سوائے ماما جان کے باقی سب سے بھی اتنے اچھے نہ تھے لیکن ذویب کے ساتھ اس کے تعلقات میں عجیب سی کشیدگی پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے ذویب کو آج تک سمجھ نہ آئی تھی، روحیل لالہ سے وہ پھر بھی کبھی خوشگوار موڈ میں بات کر لیا کرتا تھا لیکن ذویب سے بات کرتے ہوئے اس کے لہجے کی کئی بہت واضح ہوتی تھی اور جاذل کے انگلیٹھ سے واپس آنے کے بعد ان دونوں کے درمیان سرد مہری کی دھند اور گہری ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے ذویب آج تک سمجھنے سے قاصر تھا۔

”یار جلدی کہو جو بھی کہنا ہے مجھے کہیں جانا ہے۔“ ذویب کو خاموش پا کر اس نے کس قدر بے زار کن لہجے میں کہا تو اس کے لہجے پہ خاموش کھڑے ذویب کو بھی غصہ آ گیا تھا، بھی تو لفظوں کو چبا چبا کر بولا تھا۔

”ثناء سے ملنے، ہے نا۔“

”ہاں ثناء سے ملنے، تمہیں کوئی اعتراض ہے۔“ ذویب نے بہت تاسف سے اس کو دیکھا تھا پھر قدرے دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

”ایک بات کہوں لالے، مائنڈ مت کرنا، یہ جو ثنا جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں نا ہمارے جیسا فیملی

بیگ گراؤنڈ رکھنے والے لڑکے ان کے ساتھ دوستی تک تو انور ڈکر سکتے ہیں لیکن ان سے شادی کا مطلب اپنے ہاتھوں سے ذلت کا طوق اپنے گلے ڈالنے والی بات ہوتی ہے۔“ ذویب کی بات پہ جاذل کے ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ سج گئی تھی۔

”ذلت کا طوق تو میرے گلے ڈل چکا یار جب کسی شخص کی بیوی اس پہ یوں بھری محفل میں چوری کا الزام لگا کر بے عزت کر کے رکھ دیا تو اس سے زیادہ ذلت کی بات اور کیا ہوگی۔“ بات کرتے کرتے اس کا لہجہ ہی نہیں آنکھیں بھی بھگ گئی تھیں، آنکھوں کی کمی صاف کرتا وہ ذویب کی طرف دیکھے بغیر یاور کے فلیٹ سے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

عائشہ کے دو سال بعد جاذل پیدا ہوا تھا اور روحیل سے بھی زیادہ خوبصورت تھا، سرخ و سفید رنگت بڑی بڑی چمکدار آنکھیں ماما جان تو اسے پیار کرتے نہ تھیں، سانولی سلوٹی عائشہ کے پیدا کس پہ انہیں جو سکی محسوس ہوئی تھی وہ چاند چہرہ رکھنے والے جاذل عمر خان نے بہت حد تک کم کر دی تھی، بابا جان سے بھی اسے اتنا پیار ملا تھا جو روحیل اور عائشہ کے حصے میں نہ آیا تھا، بابا جان کی تو گویا جان تھی اس میں آفس سے آنے کے بعد وہ اپنا سارا وقت اس کے ساتھ گزارتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ ماما کی نسبت بابا جان سے زیادہ اچھے ہو گیا، لیکن بابا جان کا یہ پیار صرف تب تک رہا تھا جب تک ذویب عمر خان دنیا میں نہ آیا تھا۔

وہ ساڑھے چار سال کا تھا جب ذویب پیدا ہوا تھا ذویب کے دنیا میں آتے ہی نہ صرف ماما جان بلکہ بابا جان کی توجہ کا مرکز بھی اب وہی

ہوتا تھا چھوٹا ہونے کے باعث ماما جان اس کو زیادہ توجہ دیتے تو جاذل جس نے ساڑھے چار سال تک اکیلے ماما جان کی محبت و توجہ سمیٹی تھی جل جالسا، آفس سے آنے کے بعد بابا جان جب ننھے ذویب کو اٹھا کر اس کا چہرہ چومتے تو پاس کھڑے جاذل عمر خان کا دل کرتا کہ ساری دنیا کو آگ لگا دے یا پھر ذویب کو الٹا کر دور پھینک آئے جس نے اس سے اس کے بابا جان کو چھین لیا تھا، اس کے اندر وحشت اور احساس کمتری نے ڈھیرے ڈالنا شروع کر دیے تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا احساس کمتری بڑھتا گیا تھا اب وہ جان بوجھ کر ہر وہ کام کرتا تھا جس سے بابا جان کو چڑھائی ہوئی تھی، سکول کی تعلیم کے بعد بابا جان نے اس کو مزید تعلیم کے لئے انگلینڈ بھیجنا چاہا تو اس نے بہت احتجاج کیا تھا کہ اسے باہر نہیں جانا ہے لیکن بابا جان نے اس کو جھاڑ کے رکھ دیا تھا کہ وہ کوئی ننھا بچہ نہ تھا جو گھر سے دور نہ رہ سکتا تھا پھر اس کے ہر احتجاج کی پرواہ کیے بغیر انہوں نے اسے انگلینڈ بھیج دیا تھا، لیکن جب چند سال بعد ذویب نے ہائر سنڈی کے لئے باہر جانا چاہا تھا تو ماما جان اور بابا جان دونوں نے یہ کہتے ہوئے منع کر دیا تھا کہ وہ اسے خود سے دور نہیں بھیج سکتے تھے، چھوٹا ہونے کی وجہ سے وہ ان دونوں کو بہت لاڈلا تھا، جب اس بات کی خبر جاذل کو ہوئی جس کا آکسٹورڈ یونیورسٹی میں فاضل ایئر تھا تو اس کے ذہن پہ چھائے بدگمانی کے بادل (کہ بابا جان ذویب سے زیادہ محبت کرتے ہیں) کچھ اور گہرے ہو گئے تھے، اپنے اندر کی وحشتوں کو قرار دینے کے لئے وہ شراب پینے لگا تھا، ٹائٹ کلبوں میں جانا اس کا معمول بن گیا تھا احسان انکل کے ذریعے جب اس بات کی خبر بابا جان کو ہوئی تو ان کا خون کھول گیا تھا سنڈی کپلیٹ ہونے کے بعد

جب اس نے واپس آنے سے انکار کرتے ہوئے وہیں اپنے ایک انگریز دوست کے فادر کی فرم میں جاب کر لی تو یہ سن کر ماما جان رونے لگی تھیں پھر انہوں نے فون پہ بہت بار اسے واپس آنے کا کہا تھا، لیکن اس نے تو اپنے دل کو پتھر کر لیا تھا، لیکن پھر روحیل، اشہب اور عائشہ کی شادی کا سن کر وہ پتھر بھی پکھلنے لگا تھا انہوں کی خوشی میں شریک ہونے کی خواہش اس کے اندر سر اٹھانے لگی تھی تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ پاکستان چلا آیا، ماما جان اس کے واپس آنے پہ بہت خوش تھیں لیکن بابا جان کے گلے ملتے ہوئے اسے ان کے انداز میں ایسی کوئی گرجوٹی محسوس نہ ہوئی تھی جیسی کہ ایک باپ کو اتنے سال بعد اپنے بیٹے سے مل کر ہونی چاہیے تھی، وہ اس سے ناراض تھے اس لئے اس کے ساتھ ان کا رویہ قدرے خشک سا ہی تھا ان کے رویے پہ وہ بہت ڈس ہارٹ ہوا تھا مگر گھر میں تین تین شادیاں تھیں سب مصروف تھے کوئی بھی اسے صحیح طرح ٹائم نہ دے پایا تھا جس پہ وہ کافی مایوس ہوا تھا، وہ واپس اپنے خول میں سمٹنے لگا تھا، اشہب لالہ والے حادثے کے بعد بابا جان جب عائشہ کی شادی صارم سے کرنے لگے تو عائشہ کے آنسوؤں پہ اس کا دل کڑھ کر رہ گیا تھا، خود کو بہت روکتے ہوئے بھی وہ بابا جان کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

”وہ میری بیٹی ہے مسٹر اور میں اسی کے بارے میں ہر طرح کا فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہوں سو پلیز آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔“ بابا جان نے ماتھے پہ شکنیں لئے کچھ اس قدر بیگانگی سے کہا کہ وہ کتنے ہی پل پہ سوچے گا کیسے کیا واقعی وہ ان کی سگی اولاد تھا کچھ پل وہ ان کا چہرہ دیکھتا رہا پھر گاڑی لے کر گھر سے نکل گیا اس کے بعد وہ مکمل طور پر اپنے خول میں

سمٹ گیا تھا اس نے ایک بار پھر اپنے دل کو پتھر کر لیا تھا سارا سارا دن بے مقصد سرنگوں پہ گاڑی دوڑائے جاتا بابا جان نے روکیل لالہ کے ذریعے اسے کہا تھا کہ وہ آفس جوائن کر لے لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا یہ کہتے ہوئے کہ اسے ان کے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بابا جان نے اس کے انکار کا تنا تو غصے سے ان کا خون کھول گیا تھا، لیکن اب وہ کوئی چھوٹا بچہ نہ تھا جسے ڈانٹ ڈپٹ کر وہ اپنی مرضی کا کام کروا سکتے تھے سو جل کڑھ کر چپ کر رہے۔

اسے پاکستان آئے دو سال ہونے والے تھے جب ایک دن اچانک اس کی ملاقات یاور ملک سے ہوئی تھی وہ ایک میوزک سینٹر سے اپنی پسند کی کچھ سی ڈیز خرید کر اپنے ہی دھیان میں گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا جب سامنے سے آتے شخص سے ٹکرا گیا تھا، سی ڈیز اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھیں جس پہ اس نے شعلہ بار نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے کچھ کہنے کو لب کھولے تھے لیکن سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا اگلے لمحے وہ دونوں بازو وا کرتا یاور ملک کے گلے جا لگا تھا یاور اس کا سکول کافرینڈ تھا جسے اتنے سالوں بعد بھی وہ فوراً پہچان گیا تھا، پھر یاور سے ملنے کے بعد اس کا زیادہ وقت اب یاور کے گھر پہ ہی گزرتا تھا یاور کی ساری فیملی ملتان کے قریب ایک گاؤں میں رہتی تھی وہ اسلام آباد والے گھر میں تنہا ہی ہوتا تھا، یاور ملک سے ملنے کے بعد اس کی آوارہ گردیاں انتہا کو چھو گئیں تھیں اب اس کے دوستوں میں کئی لڑکیاں بھی شامل تھیں جن میں سے بعض کے ساتھ تو وہ دوستی سے آگے کی حد بھی پار کر گیا تھا بابا جان اس کی حرکتوں سے بہت نالاں تھے لیکن وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے

کہ وہ کون سا ان کے کہنے سننے میں تھا کبھی کبھار تنک آ کر وہ اسے پیسے دینا بند کر دیتے تو وہ ماما جان سے لے لیتا تھا گھر میں ماما جان وہ واحد ہستی تھیں جن سے وہ پھر بھی کوئی بات کر لیا کرتا تھا ورنہ باقی سب سے ہم کلام ہوئے تو اسے ہفتوں گزر جاتے، وہ صبح گھر سے نکلتا تو واپسی آدھی رات کے بعد ہوتی تھی اس رات بھی وہ کافی لیٹ آیا تھا وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا جب زونہ جو اپنے ہی دھیان میں تیزی سے سیڑھیاں اتر رہی تھی جاذل کو دیکھ کر وہ ایک سائیڈ پہ ہونے لگی تھی کہ اس کا پاؤں مڑا اور اگلے ہی پل وہ جاذل عمر خان کے بازوؤں میں تھی، جاذل بھی اس حملے کے لئے قطعی تیار نہ تھا زونہ کو ایک بازو کے حصار میں لیتے ہوئے وہ دوسرے ہاتھ سے سیڑھیوں کی ریلنگ نہ تھا متا تو یقیناً دونوں نیچے آ رہے، کچھ حواس بحال ہوئے تو زونہ نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تھا لیکن جب اس کی خوفزدہ نگاہیں جاذل عمر خان کی نگاہوں سے ٹکرائیں تھیں تو وہ تڑپ کر اس کے بازو کے حصار سے نکلی تھی اور اگلے ہی پل تیزی سے سیڑھیاں اترتی اپنے کمرے میں بند ہو چکی تھی اس بات سے بے خبر کہ وہ وہاں سیڑھیوں پہ کھڑے جاذل عمر خان کے دل کا چین و سکون بھی اپنے ساتھ سمیٹ لائی تھی اس ساری رات وہ نہ سویا تھا جب بھی آنکھیں بند تو دو سبز کالج سی خوفزدہ آنکھیں دھیان کے پردے پہ آٹھرتی تھیں پھر سر جھٹک کر وہ سونے کی کوشش کرنے لگتا، اس کا خیال تھا کہ یہ ایک وقتی کیفیت تھی لیکن آنے والے دنوں نے اس پہ انکشاف کیا تھا کہ وہ وقتی کیفیت نہ تھی ہر جگہ ہر پل وہ آنکھیں وہ چہرہ اس کے ساتھ رہتا تھا ہر لڑکی کے چہرے پہ اسے اسی چہرے کا گمان ہوتا تو وہ جھنجھلا جاتا، وہ بہت سی لڑکیوں سے ملا تھا

لیکن اس طرح کی کیفیت پہلے تو کبھی نہیں ہوئی تھی وہ چہرہ وہ آنکھیں اس کے حواس پہ کچھ اس طرح چھا میں تھیں اب اسے کسی اور چہرے میں سرکش ہی محسوس نہ ہوتی تھی اور پھر یہ ان آنکھوں اور ان آنکھوں کے مالک چہرے کا کمال ہی تھا کہ وہ ناشتے کھانے کی ٹیبل پہ پایا جاتا تھا اس تبدیلی یہ جہاں سب حیران تھے وہی خوش بھی تھے کہ چلو اب وہ گھر پہ نکلے تو لگا تھا، لیکن جاذل عمر خان جس چہرے کو دیکھنے کے لئے وہاں موجود ہوتا تھا اس چہرے کی مالک ہستی نے بھی نگاہ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھا تھا یا ورا ب اسے چھینٹنے لگا تھا۔

”یار خان خیریت تو ہے نا، آج کل میرے یار کا دل گھر پہ بڑا لگنے لگا ہے۔“ تو وہ یاور کی بات پہ مسکرا دیتا تھا۔

وہ کچھ وقت گھر پہ گزارنے لگا تو اس پہ انکشاف ہوا تھا کہ زونہ علی خان کی زندگی میں قذوہیب عمر خان بہت خاص مقام رکھتا تھا اور اس انکشاف کے ساتھ ہی اس کے اندر قذوہیب کے لئے نفرت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

جاذل پورج میں کھڑا گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا جب زونہ دور سے ہی آواز دیتی چلی آئی تھی۔

”ذہبی لالہ ایک منٹ رکیں، کہاں جا رہے ہیں آپ؟“ اس کی آواز پہ جاذل جھٹکے سے مڑا تھا تو اسے دیکھ کر زونہ کے قدم اس سے چند قدم کے فاصلے پہ ہی قہقہے گئے تھے، اسے کچھ بکس منگوانی تھیں اس نے جاذل کو قذوہیب سمجھ کر آواز دی تھی۔

”سوری میں نے سمجھا قذوہیب لالہ ہیں۔“ وہ قدرے شرمندہ ہو کر واپس پلٹنے لگی تھی لیکن

جاذل کی آواز پہ اسے رکنا پڑا تھا۔

”اگر کہیں جانا ہے تو میں چھوڑ دیتا ہوں۔“ اس نے اس کے خوبصورت چہرے کو نظروں کی گرفت میں لے کر کہا تھا۔

”نن..... نہیں لالہ آپ جانیں، وہ مجھے بس کچھ بکس منگوانا تھیں میں ذہبی لالہ سے کہہ دوں گی وہ لے آئیں گے۔“ بات مکمل کر کے وہ وہاں رکی نہ تھی، تیزی سے پلٹتے ہوئے اندر چلی گئی پتہ نہیں کیا بات تھی کہ اپنے اس کزن کے سامنے آتے ہی اس کی بولتی کیوں بند ہو جاتی تھی، گھر سے باہر جاذل کی سرگرمیوں کے بارے میں اس نے بہت کچھ سن رکھا تھا اور شاید یہ ان باتوں کا ہی اثر تھا جاذل کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں جواب اکثر سرخ ہی رہتی تھیں ان سے زونہ کو اس قدر خوف محسوس ہوتا تھا کہ سامنا ہونے پہ بھی وہ اس کے چہرے کی سمت دیکھنے سے گریز کرتی تھی، چونکہ اب وہ زیادہ وقت گھر پہ ہی گزارتا تھا تو یہ بات اس سے چھپی نہ رہی تھی اور اس کی وجہ بھی وہ اب بہت اچھی طرح جان گیا تھا، سبھی تو زونہ کے چلے جانے کے بعد بھی کتنی دیر وہاں کھڑا جلتا رہا تھا، پھر یہ جاننے کے بعد کہ وہ زونہ علی خان کی زندگی میں اس کے دل میں وہ جگہ کبھی حاصل نہیں کر سکتا جو قذوہیب عمر خان کی تھی وہ واپس اپنی دنیا میں لوٹ گیا تھا ایک بار پھر اس کی گاڑی کا رخ گھر کی طرف آدھی رات کے بعد ہی ہونے لگا اب بھی کبھی وہ سبز کالج سی آنکھیں اس کے دل کی دنیا میں تباہی مچانے لگتی تھیں دل کئی بار ان آنکھوں کے مالک چہرے کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہونے لگتا تھا لیکن وہ سختی سے دل کی اس خواہش کا گلا گھونٹ کر اس چہرے کو بھولنے کی کوشش کرنے لگتا پھر انہی دنوں اسے شازبیری ملی تھی جس کے والدین اس کے بچپن

میں ہی وفات پا چکے تھے وہ راولپنڈی میں اپنی بہن بہنوئی کے ساتھ رہتی تھی، وہ ایک ماڈل گرل تھی لیکن ماڈلنگ کی دنیا میں اس کو اتنی پذیرائی نہ ملی تھی جس سے مایوس ہو کر اس نے امیر لڑکوں سے دوستی کرنے ان کی راتیں رنگین کر کے پیسہ بنورنے کا دھندا شروع کر دیا، جاذل عمر خان ان دنوں اتنا بکھرا ہوا تھا کہ شازبیری کو اس سے مراسم بنانے کے لئے زیادہ گلو دو نہ کرنی پڑی تھی شام سے ملنے کے بعد جاذل عمر خان کا دل کسی حد تک بہل گیا تھا، بظاہر یوں لگتا تھا کہ وہ زونہ کو بھول چکا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہ تھا، گھر میں صرف ماما جان تھیں جن سے وہ پھر بھی بات کر لیا کرتا تھا اور وہ بھی تب جب اسے پیسوں کی ضرورت ہوتی تھی پھر اس سوچ نے اسے سب سے مزید دور کر دیا تھا اور جب اس نے اپنے دل کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی تھی کہ زونہ علی خان کی محبت اس کے نصیب میں نہیں ہے تو ایک دن وہی زونہ علی خان اس کے نصیب میں لکھ دی گئی، اس نے کتنا احتجاج کیا تھا کہ اسے زونہ سے شادی نہیں کرنا وہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کیسے کر سکتا تھا جو اس سے محبت نہیں کرتی تھی، جس کے دل میں ذوہیب عمر خان بستا تھا، لیکن بابا جان نے اس کے کسی احتجاج کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس کی شادی زونہ سے کر دی تھی، بابا جان کے عاق کرنے کی دھمکی یہ بے بس ہو کر اس نے زونہ سے شادی کر لی تھی لیکن ویسے والے دن جب اس نے سچ پہ اپنے برابر بیٹھی زونہ کو آنسو بہاتے دیکھا تھا تو اس کے دل و دماغ پہ ایک وحشت سی چھانے لگی تھی جب وہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی تو انکار کر دیتی اس چیز پہ اسے اتنا غصہ تھا کہ اس کا رویہ زونہ کے ساتھ بہت خراب ہوتا تھا، وہ نہ تو اس سے بات کرتا تھا نہ ہی اسے اپنا کوئی کام

کرنے دیتا تھا وہ جب بھی اسے دیکھتا تو اس کے دل و دماغ پہ بس ایک ہی بات غلبہ پانے لگتی کہ اگر ذوہیب کی شادی رومیہ سے نہ ہوتی تو کیا زونہ اس سے شادی کے لئے ہامی بھرتی اور وہ اپنے اس سوال کا جواب بہت اچھی طرح جانتا تھا، ابھی تو اس کی صورت دیکھتے ساتھ ہی غصہ اس کے اندر سے سراٹھانے لگتا تھا، بابا جان زونہ کے ساتھ اس کا رویہ دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتے رہتے تھے۔

اب انہیں کیا پتہ تھا کہ بظاہر زونہ کے ساتھ بہت سخت رویہ رکھنے اور اس کی صورت سے بھی بے زار دکھائی دینے والے جاذل عمر خان کے دل کی دنیا میں اگر کسی کا بسیرا تھا تو صرف زونہ علی خان کا وہ اب بھی اس سے بہت محبت کرتا تھا، مگر جب اس نے بھری محفل میں اس پہ چوری کا الزام لگایا تھا تو وہ یہ سب اس کے لئے ناقابل برداشت تھا، وہ یہ تو برداشت کر گیا تھا کہ وہ اس سے نہیں ذوہیب سے محبت کرتی ہے، وہ یہ بھی سہہ گیا تھا کہ اس نے اس سے شادی صرف اس وجہ سے کی کہ ذوہیب کی شادی رومیہ سے ہو رہی تھی تو اس گھر میں، شابی لالہ کے قریب رہنے کے لئے اس نے جاذل کا ساتھ قبول کیا تھا، وہ تو اس بات کو بھی برداشت کر گیا تھا جب ویسے کے فنکشن میں وہ اس کے پہلو میں بیٹھی ذوہیب عمر خان کے لئے آنسو بہا رہی تھی حالانکہ اس وقت اس کا شدت سے جی چاہا تھا کہ وہ اپنے برابر بیٹھی لڑکی کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دے جو اپنے شوہر کے برابر بیٹھ کر کسی اور کے لئے رو رہی تھی، لیکن وہ پھر بھی خود پہ ضبط کر گیا تھا مگر اب کی بار یہ سب اس کے لئے ناقابل برداشت تھا اس لڑکی نے بھرے مجمعے میں اس پہ چوری کا الزام عائد کر کے اس کو دو کوڑی کا کرچھوڑا تھا اس پہ اتنا

گھٹیا الزام لگاتے ہوئے اس نے ایک لمحے کو بھی نہ سوچا تھا تو پھر اب وہ کیوں اس کے لئے سوچتا اس سے غلجھگی کا فیصلہ کرتے ہوئے اس نے اپنے دل کو (جس میں آج بھی زونہ علی خان بستی تھی) کئی جواز دے کر مطمئن کیا تھا، حالانکہ یہ صرف وہی جانتا تھا کہ اس کا دل کتنا مطمئن ہوا تھا۔

☆☆☆

جاذل سے ملنے کے بعد ذوہیب عمر خان کی پریشانی اور بڑھ گئی تھی اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ جاذل کو اس کے فیصلے سے کیسے باز رکھے، اسے کیسے سمجھائے کہ جو کچھ وہ کرنے جا رہا ہے وہ صحیح نہیں ہے، وہ زونہ کا سوچتا تو اس کا دل درد سے چھٹنے لگتا تھا ایک زیادتی اس کے ساتھ وہ خود کر چکا تھا (اسے اپنی محبت کے خواب دیکھا کر) اور اب ایک زیادتی اس کا بھائی کرنے چلا تھا اسے طلاق دے کر، ذوہیب جانتا تھا کہ وہ نازک سے دل والی لڑکی طلاق کی ذلت کو نہیں سہہ پائے گی یہی سب سوچتے وہ دیر تک سرکوں پہ یونہی بے مقصد چاڑی دوڑتا رہا گھر اس کی والیسی کافی لیٹ ہوتی تھی۔

”صاحب جی کھانا لگاؤں۔“ تاجی نے اس کو دیکھ کر پوچھا تھا لیکن وہ ننگی میں سر ہلاتا تھکے تھکے قدموں سے بیڑھیاں چڑھتا اور آگیا اپنے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لئے اس نے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اندر سے آتی ماما جان کی آواز پہ اس کا ہاتھ وہیں ساکت ہوا تھا۔

”لو رومیہ ڈیر تمہاری خالہ جانی نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، بھر دیئے نا اس کی آنکھوں میں آنسو جو تمہیں رلاتی تھی جاؤ جا کے دیکھو کمرے میں بیٹھی کس طرح آنسو بہا رہی ہے بے چاری کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہے کہ زیور ہم نے چرایا

تھا اور ابھی آگے دیکھنا میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں بس جاذل کو اسے طلاق دینے دو تو عدت پوری ہوتے ہی دیکھنا میں اس کو کیسے اس گھر سے رخصت کرتی ہوں، پھر نہ رہے گا بانس نہ بچے کی بانسری۔“ ماما جان کے ایک ایک لفظ میں زونہ کے لئے نفرت ہی نفرت تھی۔

”وہ تو ٹھیک ہے خالہ جانی لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ اس کو رخصت کرنا کس کے ساتھ ہے طلاق کے بعد تو اس کی اس گھر میں موجودگی ہمارے لئے اور بڑا رسک ہوگی کیونکہ اس کی معصوم صورت کو دیکھ کر ذوہیب کے دل میں اس کی محبت اور بھڑکے گی اس لئے میں تو کہتی ہوں کہ اس کے لئے لڑکا ابھی سے دیکھنا شروع کر دیں تا کہ طلاق کے بعد جیسے ہی اس کی عدت پوری ہو اس کو اس کے ساتھ چلتا کریں اس گھر سے۔“ رومیہ کے لہجے میں ماما جان سے بھی زیادہ زہر بھرا تھا اس کا بس چلتا تو ابھی جا کر زونہ کو گھر سے نکال دیتی۔

”ارے میری جان فکر نہیں کرو سب سوچ رکھا ہے، سب بندوبست کر رکھا ہے وہ جو میری فرینڈ ہے مسز ملک انہوں نے ایک بار پہلے بھی مانگا تھا زونہ کا رشتہ اپنے بھائی کے لئے لیکن تب تمہارے بابا جان نہیں مانے تھے کہتے تھے کہ گھر کی بچی ہے گھر میں ہی رکھیں گے، پھر انہیں یہ بھی اعتراض تھا کہ لڑکا رنڈا اور تین عدد بچوں کا باپ ہے لیکن اب تو ان کا یہ اعتراض بھی ختم ہو چکا ہے کیونکہ اب تو ان کی بچی بھی کنواری نہیں رہی ہے۔“ ماما جان نے بچی پہ خاصا زور دے کر کہا تھا پھر دونوں ہنس دیں تھیں اندر وہ دونوں ہنس رہی تھیں لیکن باہر کھڑا ذوہیب عمر خان گویا ساکت ہو گیا، اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ اس کی ماں اس حد تک بھی گر سکتی ہے، پھر ایک دم اسے پتہ نہیں کیا

ہوا تھا کہ وہ جھٹکے سے دروازہ دھکیلتا اندر داخل ہوا تھا اسے دیکھ کر ماما جان اور رومیلا دونوں کے رنگ اڑ گئے تھے کیونکہ اس کی لہو رنگ آنکھیں اس بات کا پتہ دے رہی تھیں کہ وہ سب کچھ سن چکا تھا، وہ ایک ایک قدم اٹھاتا ماما جان کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

”میری ایک بات یاد رکھیے ماما جان کہ اگر زونہ کو طلاق ہوئی تو پھر اس گھر میں ایک طلاق اور بھی ہوگی میری اور رومیلا کی طلاق، اس کے لئے بھی لڑکا دیکھ رکھیے گا اور ہاں ماما جان بابا جان کی آنکھوں پہ بندھی اعتماد کی وہ پٹی جو آپ نے بھی اتارنے ہی نہیں دی اب وہ میں اتاروں گا اس لئے اپنے لئے بھی کوئی ٹھکانہ ڈھونڈ رکھیے گا، اگر بابا کو پتہ چل گیا کہ ان کی یتیم بھتیجی کے ساتھ آپ نے کیا کیا گیم کھیلا ہے تو سوچیں کیا ہو گا۔“ نفرت سے کہتا وہ رومیلا کی طرف مڑا تھا پھر اس کو بالوں سے پکڑا کر دروازے کی طرف بڑھا تھا رومیلا کی تو چیخ نکل گئی تھی ماما جان تڑپ کر فوراً آگے بڑھی تھیں لیکن ذوہیب نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روک دیا تھا۔

”نہیں ماما جان آگے مت آئے گا، ورنہ میں اس کے ساتھ ساتھ خود کو بھی ختم کر لوں گا۔“ اس کے لہجے میں شیروں سی دھاڑ تھی ماما جان کے قدم وہیں ٹھم گئے تھے ماما جان نے سوچا بھی نہ تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے وہ تو اپنی خوشی میں مگن رومیلا کو اگلے پروگرام کا بتا رہی تھیں انہیں کیا پتا تھا وہ سن لے گا، پھر وہ رومیلا کو اسی طرح بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا رومیلا کی چیخیں سن کر زونہ نے تیزی سے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا لیکن باہر جو منظر اسے دیکھنے کو ملا تھا اس نے ایک بل کو اس کے ہوش اڑا دیئے تھے ذوہیب رومیلا کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا

سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا وہ تقریباً دوڑتے ہوئے اس تک پہنچی تھی۔

”ذہبی لالہ پلیز، چھوڑیں اسے کیوں کر رہے ہیں آپ ایسا۔“ ذوہیب سے بات کرتے ہوئے اس نے رومیلا کے بال ذوہیب کی مٹھی سے آزاد کرانا چاہے تھے ذوہیب نے ایک بل کو رک کر اسے دیکھا تھا لیکن دوسرے ہی بل اسے ایک طرف دھکیلتا رومیلا کو لئے آگے بڑھا تھا وہ اسے اسی طرح گھسیٹتا سیڑھیوں سے نیچے لایا تھا رومیلا کی چیخوں پہ روئیل لالہ اور بھانجی کے ساتھ ساتھ بابا جان بھی اپنے کمرے سے نکل آئے تھے لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر وہ لوگ بھی چکر کر رہ گئے تھے۔

”ذوہیب پاگل ہو گئے ہو چھوڑو اسے۔“ روئیل لالہ تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

”نہیں لالہ نہیں، مجھے روکے مت، مجھے جانے دیں ورنہ بہت دیر ہو جائے گی پلیز نہیں سامنے سے میں واپس آ کر آپ کو سب بتاؤں گا لیکن پلیز اس وقت مت روکیں۔“ وہ لالہ کو بھی ایک طرف ہٹاتا رومیلا کو لئے پورچ تک آیا تھا گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر رومیلا کو اندر دھکیلا اور خود دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی دس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد وہ رومیلا کو لئے جاذل عمر خان کے سامنے تھا رومیلا کو جاذل کے قدموں میں دھکا دے کر وہ دانت پیستے ہوئے بولا تھا۔

”بتاؤ انہیں وہ سب جو تم لوگوں نے کیا اور وہ بھی جو ابھی کرنا تھا بتاؤ انہیں کہ زیور کس نے چرایا تھا اور کیوں، بولو رومیلا ورنہ میں اپنی زبان سے طلاق کے تین الفاظ بولنے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کروں گا اور تم جانتی ہو کہ ایسا کرنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا، تمہاری خالہ جانی

بھی نہیں۔“ جاذل حیران سا کبھی ذوہیب کو اور کبھی اپنے قدموں میں گری رومیلا کو دیکھے جا رہا تھا، ذوہیب کی بات پہ رومیلا تڑپ کر سیدھی ہوئی تھی اور ذوہیب کی طرف مڑ کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

”نن..... نہیں..... ذوہیب..... میں سب کچھ بتاتی ہوں خدا کے لئے مجھے طلاق مت دینا۔“ ذوہیب سے کہتے ہوئے وہ تیزی سے جاذل کی طرف مڑی تھی اور پھر اسے وہ سب بتاتی چلی گئی جو کچھ ماما جان اور اس نے کیا تھا اور جو آگے سوچا تھا، رومیلا تو سب بتا کر وہیں زمین پگھلنے کے بل بیٹھ کر رونے لگی تھی جبکہ جاذل عمر خان اس کے منہ سے یہ سب سننے کے بعد گویا چمکا ہو گیا تھا اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا اگر رومیلا اپنے منہ پہ سب نہ بتاتی تو وہ کبھی یقین نہ کرنا کہ اس کی ماما جان اس کے ساتھ یوں بھی کر سکتی ہیں رومیلا کی نفرت میں وہ اپنے سگے بیٹے کے گھر کو آگ لگا دیں گی یہ اسے معلوم نہ تھا بھی تو اب پتھر بنا کھڑا تھا، ذوہیب نے اس کے سامنے وجود کو ایک لمحہ کو دیکھا تھا پھر آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے بولا تھا۔

”دیکھو لالے اب تو سب حقیقت تیرے سامنے آ چکی ہے یار، اب تو تو جان ہی گیا ہے کہ تم پہ جو الزام زونہ نے لگایا اس کا اہتمام ماما جان اور رومیلا نے کیا تھا، اس میں زونہ کا تو کوئی قصور نہیں ہے یار اس لئے پلیز اسے اتنی بڑی سزا دینے سے پہلے سوچنا ضرور۔“ پھر ذوہیب تو رومیلا کو لیے وہاں سے چلا گیا جب وہ واپس گھر پہنچے تھے تو بابا جان، روئیل لالہ بھانجی، زونہ سب لاؤنج میں بیٹھے ان کا ہی انتظار کر رہے تھے ”اے ماما جان کے ماما جان تو ان کے گھر سے جاتے ہی کمرے میں بند ہو چکیں تھیں ذوہیب کو

دیکھ کر بابا جان تیزی سے آگے بڑھے تھے۔“ ذوہیب میری جان، یہ سب کیا ہے کہاں گئے تھے تم اتنی رات کو۔“ بابا جان کی بات پہ اس نے ایک قہر بھری نگاہ رومیلا پہ ڈالی تھی جو کچھ فاصلے پہ کھڑی آنسو بہا رہی تھی ذوہیب کے دیکھنے پہ وہ روتے روتے دوڑ کر اوپر کمرے میں چلی گئی اس کے جانے کے بعد جب ذوہیب نے ساری بات بتائی تو ایک لمحے کو سب شا کذرہ گئے تھے، بابا جان، لالہ، بھانجی اور زونہ بھی، وہ یہ تو جانتی تھی کہ ماما جان اس کو پسند نہیں کرتیں لیکن وہ اس سے اس حد تک نفرت کرتی ہیں کہ اس نفرت کی لپیٹ میں اپنے سگے بیٹے کو گھسیٹ لیں گی یہ وہ نہ جانتی تھی، ایک بار پھر آنسو لڑیوں کی صورت اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔

☆☆☆

ذوہیب کے جانے کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک وہیں کھڑا رہا تھا اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ اس کی ماں اس کے ساتھ ایسا بھی کر سکتی ہے وہ ماں جو اس کے خیال اس سے سب سے زیادہ محبت کرتی تھی اسے پورا یقین تھا کہ کوئی اور اسے چاہے یا نہ چاہے اس کی ماں اس سے محبت کرتی ہے لیکن آج اس کا سارا یقین ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا کچھ اس طرح کہ ساتھ جاذل عمر خان کی ہستی بھی ٹوٹ کر بکھر رہی تھی، یاد رہے کمرے میں آیا تو اس کے چہرے کی سفید پڑتی رنگت کو دیکھ کر اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

”جاذل کیا بات ہے یار سب ٹھیک تو ہے نا۔“ یاد رکھی بات یہ اس نے لے کر یاد رکھی طرف دیکھا تھا وہ اسے کیسے بتاتا کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس کی ماں نے کروایا تھا، وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آیا تھا، یاد رہے آوازیں دیتا رہا لیکن اس نے اس کی ایک نہ سنی تھی اور

گاڑی گیٹ سے باہر نکال لے گیا، کتنی دیر تک وہ اپنی سوچوں میں مگن شہر کی سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتا رہا اس کی آنکھیں بار بار دھندلا رہی تھیں لیکن وہ اپنے آنسوؤں کو سختی سے پیچھے دھکیل دیتا اس نے اپنی آنکھوں کو سختی سے میچ کر آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا تھا لیکن آنکھیں پھر سے دھندلانے لگی تھیں کہ وہ سامنے سے آئی تیز رفتار وین کو بھی دیکھ سکا اور اگلے لمحے اس کی گاڑی وین سے ٹکرائی تھی، ہاسپٹل سے اس کے ایکسیڈنٹ کی خبر ملتے ہی روحیل لالہ، ذوہیب اور بابا جان فوراً ہاسپٹل چلے گئے تھے، ہاسپٹل میں اس کے مشینوں میں جکڑے لہولہان وجود کو دیکھ کر بابا جان اپنا ضبط کھو بیٹھے تھے وہ روحیل کے گلے لگ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھے، وہ اس سے جتنا بھی ناراض رہتے تھے اس کی حرکتوں سے نالاں اس سے مہینوں بات نہ کرتے تھے لیکن اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ اس سے بہت محبت کرتے تھے، اسے یوں بے ہوش دیکھ کر ان کا دل درد سے پھینا جا رہا تھا۔

”روحیل اگر میرے بیٹے کو کچھ بھی ہوانا تو میں اس عورت کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔“ روحیل سے کہتے وہ ایک بار پھر رو دیئے تھے اور رو تو گھر میں بابا جان بھی بہت رہی تھیں جاذل کے ایکسیڈنٹ کی خبر نے ان کے پورے وجود کو اندر تک ہلا دیا تھا، بھانجی کی محبت میں اندھا ہو کر انہوں نے اپنے سب سے لاڈلے بیٹے کے ساتھ کیا کروایا تھا اس کا احساس انہیں اب جا کر ہوا تھا وہ کمرے میں ادھر سے ادھر چکراتے اس کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں اور دعائیں تو زونہ علی خان بھی مانگ رہی تھی اپنے کمرے میں جائے نماز پہ سجدے میں پڑی وہ اپنے رب سے اس شخص کی زندگی کی سلامتی کی دعا مانگ رہی

تھی جس نے آج تک پیار کی نظر، پیار کا ایک بول نہ اس کی جھولی میں ڈالا تھا جس کے لیے میر ہمیشہ زونہ کے لئے نفرت ہی نفرت ہوتی تھی لیکن وہ پھر بھی اپنے رب سے گڑگڑا کر اس کے لئے دعا مانگ رہی تھی وہ شخص اس کے لئے کیا اہمیت رکھتا تھا اس کا احساس تو اسے یہ سن کر ہی ہو گیا تھا کہ وہ اس کو چھوڑ کر کسی اور سے شادی کر رہا ہے یہ خبر سن کر ہی اس کی آنکھوں سے آنسو خشک نہ ہو رہے تھے کجا کہ وہ اب دنیا چھوڑنے پر رہا تھا اس یہ بھی ابھی انکشاف ہوا تھا کہ ذوہیب عمر خان کے نہ ملنے پہ تو وہ پھر بھی زندہ تھی لیکن جاذل کو کھو کر وہ شاید ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ پائے گی پھر خدا کو شاید اس کی دعاؤں اس کی التجاؤں پہ ہی ترس آ گیا تھا کہ وہ موت کے نہ سے جا کر واپس لوٹ آیا تھا وہ اس وقت بھی چائے نماز پہ بیٹھی اس کی زندگی کی دعا مانگ رہی تھی جب اسماہ بھابھی دوڑتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

”زونی جاذل کو ہوش آ گیا ہے ابھی ہیں تمہارے لالہ کا فون آیا ہے ڈاکٹر نے کہا ہے اب خطرے سے باہر ہے۔“ بھابھی کی بات سن کر وہ ان کے گلے سے لگ کر رو رہی تھی لیکن اب کی بار اس کی آنکھوں میں آئے آنسو خوشی کے آنسو تھے۔

☆☆☆

ایک ہفتے کے بعد اسے ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا اس کی ٹانگ پہ ابھی تک پلستر چڑھا ہوا تھا جس کی وجہ سے اسے چلنے میں دقت ہوتی تھی وہ میز صیال نہیں چڑھ سکتا تھا تو ما جان نے اس کے لئے نیچے اپنے کمرے کے ساتھ والا کمرہ کھلوادیا تھا بابا جان نے خدا کا لاکہ شکر کیا تھا کہ اس کی جان بچ گئی تھی اگر اسے

ہو جاتا تو بابا جان تو شاید انہیں معاف کر دیتے لیکن وہ خود اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرتیں، وہ ایک بار بھی اسے ہاسپٹل دیکھنے نہ گئیں تھیں لیکن اب جب وہ گھر آیا تھا تو انہوں نے روتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

”ماما جان خدا کے لئے اس طرح مجھے مہربان کر مت کریں، آپ مجھے بہت عزیز ہیں اور میں گی میں آپ سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا اور ویسے بھی جو ہوا ایک طرح سے ٹھک ہی ہوا کم از کم آپ مجھے یہ تو پتہ چل گیا کہ میں کسی کو کتنا عزیز ہوں۔“ اس نے آنکھوں میں آنی نمی صاف کر کے بابا جان سے کہا تھا اور پھر اپنے دائیں طرف بیٹھے بابا جان کو دیکھ کر مسکرا دیا تھا اس حادثے نے اسے بابا جان سے کافی قریب کر دیا تھا اب وہ نہیں کیوں کوشش کے باوجود وہ اپنا رویہ ماما جان کے ساتھ صحیح نہیں رکھ پایا تھا، بابا جان سے اب ان کا اعتبار اٹھ چکا تھا، اس نے کہنے کو تو بابا جان سے کہہ دیا تھا کہ وہ ان سے ناراض نہیں ہے لیکن محبت اس سے مختلف تھی، وہ انہیں دل سے معاف نہیں کر پا رہا تھا وہ میلہ پہ اسے اتنا افسوس نہ تھا کہ وہ تو صرف کزن اور بھابھی تھی سامنے بھی عورت نے تو اسے جہنم دیا تھا۔

ماما جان کے علاوہ اگر کسی کے ساتھ اب ان کا رویہ خراب تھا تو وہ زونہ علی خان تھی جسے ماما نے دیکھ کر اس کے چہرے کے تاثرات اب بھی انتہائی سخت ہو جاتے تھے وہ اس کی طرف سے گریز ہی برتا تھا جسے کسی اور نے تو پتہ نہ تھا کہ اس نے کیا کیا نہیں مگر زونہ نے بہت اچھی طرح نوٹ کر لیا تھا بھی وہ اس کے سامنے کم ہی جاتا تھا جس دن وہ بالکل صحیح بغیر کسی سہارے کے چلنے لگا تھا اس دن بابا جان نے نہ صرف فریج میں پیسے بانٹے تھے بلکہ مٹھائی بھی تقسیم

کی تھی، بابا جان بہت خوش تھے لیکن اس وقت ان کی یہ خوشی مانند بڑ گئی تھی جب اس نے بابا جان سے ایک نئی فرمائش کی تھی جسے سن کر وہ ایک لمحے کو چپ سے رہ گئے تھے، وہ پشاور والی آبائی حویلی میں شفٹ ہونا چاہتا تھا بابا جان کچھ بل اسے دیکھتے رہے پھر یہ سوچ کر اسے اجازت دے دی تھی کہ اس کا یہ فیصلہ ہر لحاظ سے اچھا تھا اس کے اور زونہ کے لئے بھی اور ذوہیب اور رومیہ کے حق میں بھی۔

بابا جان نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے جو ایک عرصے بعد ایک دوسرے کے قریب آئے تھے پھر کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے دور ہو جائیں اور اب تو انہیں بیوی پہ بھی اعتبار نہ رہا تھا، بھی تو انہوں نے اپنے دل پہ پتھر رکھ کر اسے حویلی شفٹ ہونے کی اجازت دے دی تھی لیکن جب انہیں یہ پتا چلا کہ وہ زونہ کو نہیں لے کر جانا چاہتا ہے تو بابا جان چند ثانیے اس کی شکل دیکھ کر رہ گئے تھے۔

”بابا جان پلیز میں کچھ عرصہ تنہا رہنا چاہتا ہوں، آئی پرامس میں اس کو بعد میں لے جاؤں گا بٹ ابھی نہیں۔“ اس کی بات سن کر بابا جان نے ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے سرکواشات میں ہلا دیا تھا اگرچہ وہ ایسا تو نہیں جانتے تھے لیکن وہ اس کے ساتھ زبردستی بھی نہیں کر سکتے تھے، وہ آج تک اپنی ہر بات اس سے زبردستی ہی منواتے آئے تھے سٹڈی کے لئے باہر بھیجنے سے لے کر شادی تک اور ان کی اس ہٹ دھرمی نے اسے ان سے دور کر دیا تھا لیکن اب وہ یہ بات جان چکے تھے کہ اولاد کے ساتھ ہر بات میں زبردستی نہیں ہوتی ہے یہ اولاد کو ماں باپ سے دور کر دیتی ہے اور وہ اب اپنے بیٹے کو کھونا نہیں چاہتے تھے، بھی چپ چاپ مان گئے تھے لیکن جب اس

بات کی خبر زونہ کو ہوئی تو مارے غصے کے اس کا دماغ گھوم گیا تھا، اس نے ماما جان یہاں تک کہ رومیلا کو بھی معاف کر دیا تھا لیکن زونہ کے لئے اس کے پاس معافی نہ تھی وہ اس کو سامنے دیکھ کر رخ پھیر جاتا تھا اس سے بات نہیں کرتا تھا وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی سب برداشت کر رہی تھی لیکن اس کے پشاور والی حویلی شفٹ ہونے اور وہ بھی ایک اکیلا اس کی برداشت جواب دے گئی تھی وہ برتن اٹھا اٹھا کر سنک کے پاس پھینکنے لگی تھی۔

”اوہو یاران بے چارے بے جان برتنوں کا کیا قصور ہے ان کی کیوں شامت لے آئی ہو اگر غصہ نکالنا ہی ہے تو صحیح جگہ پہ نکالو۔“ بھابھی نے مسکرا کر کہا تھا جس پہ اسے اور غصہ آیا تھا۔

”ہاں ہاں نکالوں گی ڈرتی نہیں ہوں۔“ غصے سے کہتے ہوئے وہ کچن سے نکل گئی تھی بھابھی مسکرانے لگی تھیں۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی وہ بیڈ پہ بیگ رکھے اس میں کپڑے اور دیگر ضروری اشیاء رکھ رہا تھا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس تک آئی تھی اور اس کے ہاتھ میں پکڑی شرٹ جو وہ تہہ کر رہا تھا کھینچ کر دور اچھال دی تھی پھر جھک کر بیگ کے اندر تہہ شدہ کپڑوں کو نکال نکال کر بیڈ پہ پھینکنے لگی تھی۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے۔“ جاذل چند ثانیے کھڑا اس کی جرات ملاحظہ فرماتا رہا پھر غصے سے اس کا بازو دبوج کر جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب کرتے ہوئے درشت لہجے میں استفسار کیا تھا۔

”یہ اس بدتمیزی کا جواب ہے مسٹر جاذل عمر خان جو ایک عرصے سے میرے ساتھ کی جا رہی ہے ماما جان، رومیلا سب کو آپ نے معاف کر دیا تو پھر سزا صرف مجھے ہی کیوں۔“ وہ پھری ہوئی

شیرنی کی طرح بے خوف لہجے میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی تو جاذل کو اور غصہ آ گیا تھا۔

”سزا کیا سزا دی ہے میں نے تمہیں بتاؤ۔“ اس نے دانت میٹے ہوئے دریافت کیا تھا تو اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

”اس لڑکی کے لئے اس سے بڑی سزا اور کیا ہوگی مسٹر جاذل عمر خان جس کا شوہر بغیر کسی قصور کے اسے چھوڑ کر جا رہا ہو۔“ بولتے بولتے اس کی آنکھیں ہی نہیں لہجہ بھی بھگ گیا تھا لیکن اس نے اگلے ہی پل خود پہ قابو پا کر اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے اور جھک کر بیگ سے باقی ماندہ چیزیں نکالنے لگی لیکن پھر ایک دم اس کے ہاتھ رک گئے تھے وہ یک ٹک اس رومال کی طرف دیکھ رہی تھی جو اس نے ابھی بیگ سے نکال کر بیڈ پہ پھینچا تھا لیکن اس کے ہاتھوں کے ایک دم تھم جانے کی وجہ وہ رومال نہیں بلکہ سونے کی وہ دو چوڑیاں تھیں جو رومال سے پھسل کر بیڈ پر گر گئی تھیں، اس نے ہاتھ بڑھا کر چوڑیوں کو پکڑ لیا تھا وہ انہیں ہاتھ میں تھامے بس دیکھے جا رہی تھی، پھر اس کی نگاہ جاذل کے چہرے پہ جا ٹھہری تھیں اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر جاذل ایک گہرا سانس خارن کرتا دوبارہ سے بیگ میں چیزیں رکھنے لگا تو اب وہ یک ٹک جاذل کو دیکھ رہی تھی اسے

پیسوں کی بہت ضرورت تھی تب پھر اس نے چوڑیاں کیوں نہیں بیچی تھیں جاذل کی نگاہ ایک بار پھر اس کی طرف اٹھی تھی جو اسی کی طرف دیکھ رہی تھی، وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے سیدھا ہوتا ہوا بہت تلخ لہجے میں بولا تھا۔

”یہ چوڑیاں جو تم نے اپنے ہاتھوں سے اتار کر دی تھیں جب میں نے انہیں نہیں بیچا تھا پھر تمہارا دوسرا زیور میں چوری کر کے کیسے بیچ سکتا تھا۔“

جاذل نے اس کی بات سن کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

تھام نے مجھ پہ چوری کا الزام لگا کر بتا دیا کہ تمہاری نظر میں میری کیا حیثیت ہے مگر میرے دل میں تمہارا جو مقام ہے یہ چوڑیاں اس کا ثبوت ہیں کیونکہ میں نے پیسوں کی سخت ضرورت کے باوجود ان کو نہیں بیچا۔“ انتہائی سخت نگاہوں سے زونہ کو دیکھتے اس نے کہا اور باقی چیزیں اٹھا کر بیگ میں رکھنے لگا جب وہ بیگ کی زپ بند کر کے سیدھا ہوا تو زونہ جو دھندلائی آنکھیں لئے اس کی جانب دیکھ رہی تھی ایک دم اٹھی تھی اور اگلے لمحے جاذل عمر خان کے کشادہ سینے سے جا لگی تھی۔

”جاذل فار گاڈ سیک مجھے معاف کر دیں، آئی نو میں نے آپ کے ساتھ ٹھیک نہیں کیا ہے، مجھے آپ یہ اس طرح الزام نہیں لگانا چاہیے تھا، مجھ سے غلطی ہو گئی ہے پلیز مجھے معاف کر دیں، مجھے چھوڑ کر مت جائیں میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں جاذل آئی نو یو آئی نو یو سوچ۔“ اس کے سینے سے لگی وہ ہچکیوں کے درمیان بولی تو اس کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ سن کر جاذل عمر خان کے دل و دماغ پہ چھائی وحشت، غصے اور بدگمانی کے بادل ایک دم چھٹنے لگے تھے، ورنہ اسے اس پہ بہت غصہ تھا کہ زونہ کی نظر میں اس کی اتنی ہی اہمیت تھی کہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی اس کی بے گناہی ثابت ہونے کے بعد بھی اس نے ایک لفظ سوری تک کا نہ بولا تھا لیکن اب جب وہ اس کے ساتھ لگی رو رو کر نہ صرف معافی طلب کر رہی تھی بلکہ جاذل عمر خان کی محبت کا اقرار بھی کر رہی تھی اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو جاذل کی شرٹ کو بھگو رہے تھے جو بالکل ساکت و صامت کھڑا تھا اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے، خواب میں کئی بار اس نے زونہ کو اسی طرح اظہار محبت

کرتے دیکھا تھا لیکن جب اس کی آنکھ کھلتی اور حقیقت اس کے سامنے آتی تو وہ کتنی دیر تک جلتا کڑھتا رہتا تھا لیکن اب جو کچھ ہوا تھا وہ خواب ہے یا حقیقت یہ جاننے کو اس نے اپنی ساتھ لگی رولی ہوئی زونہ علی خان کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار باندھ دیا تھا، وہ کتنے ہی پل خاموش کھڑا اس حقیقت کو محسوس کرتا رہا، اس کی آنکھوں سے آنسو گر کر زونہ کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے زونہ کچھ اور بھی بول رہی تھی لیکن جاذل عمر خان کی سوتی تو بس اس ایک فقرے میں اٹ گئی تھی۔

”آئی نو یو میری جان آئی نو یو اس لئے پلیز اب رونا نہیں کیونکہ ان خوبصورت آنکھوں میں آنسو نہیں صرف اور صرف جاذل عمر خان کی محبت نظر آتی چاہیے، انڈر شینڈ۔“ اس نے گہیر لہجے میں ایک ادا سے کہا تو اس کی بات سن کر زونہ اپنے آنسو صاف کرتی مسکراتے ہوئے اس سے الگ ہوئی تھی۔

”ارے یہ کیا مائی لائف اینڈ ڈیروائف، میں نے آپ کو رونے سے منع کیا ہے اس طرح الگ ہونے کا تو نہیں کہا۔“ وہ ایک بار پھر شرارت سے گویا ہوا تو زونہ جو اس کی طرف دیکھ رہی تھی اس کی بات کا مفہوم جان کر بارگیا سے آنکھوں پہ پلکوں کی چلن گرا گئی تھی اور ایسا کرتی وہ جاذل عمر خان کو بہت اچھی لگی تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر زونہ کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اسے اپنے سامنے کھڑا کیے بہت دھیرے دھیرے اشعار کی زبان میں اپنے جذبات کا اظہار کرنے لگا تھا۔

میری وحشتوں کو قرار دو
میرا ابھی زندگی سنوار دو
کچھ یاد رہے نہ تیرے سوا
مجھے اتنا تم آج پیار دو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ ٹائمہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پر یو یو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

آپ سے دور رہ سکتے ہیں۔“ اس نے ماما جان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تھا تو ماما جان نے اس کو ساتھ لگا کر اس کا ہاتھ چوم لیا تھا، کتنا بڑا ظرف تھا اس لڑکی کا جس نے سب کچھ بھلا کر انہیں معاف کر دیا تھا۔

پھر ماما جان ان دونوں کو پورچ تک چھوڑنے آئیں تھیں اس یقین کے ساتھ کہ ایک دن ان کا بیٹا لوٹ کر ان کے پاس ضرور آئے گا زونیا اسارہ بھابھی سے ملی تو بھابھی رو دی تھیں، زونیا کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں ایسا اس نے بھی کب چاہا تھا اس گھر سے اس کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں اس کے بھائی کی یادیں، یہاں اسے ہمیشہ شاہی لالہ کی موجودگی کا احساس ہوتا تھا لیکن اسے جانا تھا اس شخص کے لئے جس نے دل کی تمام شدتوں سے اسے چاہا تھا اسے اس کا کھویا ہوا اعتبار واپس لوٹنا تھا، اسارہ بھابھی سے مل کر وہ ذہیب کے سامنے آکر رکی تھی۔

”لالہ ہو سکے تو رو میلہ کو معاف کر دیں اس نے جو کچھ بھی کیا آپ کی محبت پانے کو کیا، کیونکہ ایک بیوی کے لئے سب سے اہم چیز اس کے شوہر کی محبت ہی ہوتی ہے۔“ ذہیب سے کہتے ہوئے اس کی نگاہیں جاذل عمر خان پہ جا ٹھہری تھیں جو کچھ فاصلے پہ کھڑا اس کی بات پہ مسکرا رہا تھا اور جب ان کی گاڑی گیٹ سے نکلی تھی تو اسارہ بھابھی نے دل سے دعا کی تھی کہ اب ان دونوں کی زندگی میں بھی کوئی غم نہ آئے اور یہ دعا تو ماما جان بھی کر رہی تھیں۔

”کاش ماما جان آپ وہ سب نہ کرتیں تو آج ایک بار پھر اپنے بیٹے کو یوں خود سے دور نہ کر رہی ہوتیں۔“ اسارہ بھابھی نے انتہائی تاسف سے سوچا تھا اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

اگلی صبح پشاور جانے سے پہلے وہ ماما جان کو ملنے آیا تھا ان کے کمرے میں، ماما جان کتنے دنوں سے سن رہی تھیں کہ وہ پشاور جا رہا ہے لیکن ان کی ہمت نہ ہو رہی تھی کہ اس کو روک لیں مگر اب جب وہ جا رہا تھا تو اسے دیکھ کر وہ خود پہ ضبط کھو بیٹھی تھیں۔

”جاذل میرے بچے معاف کر دو اپنی ماں کو، مت کرو ایسا۔“ ان کی بات سن کر وہ ماتھے پہ بل ڈالے قدرے سخت لہجے میں بولا تھا۔

”کیا برا کر رہا ہوں میں آپ کے ساتھ آپ کی خواہش ہی تو پوری کر رہا ہوں۔ یہی چاہتی تھیں آپ کہ زونیا اس گھر لے چلی جائے تو جا رہی ہے وہ اس گھر سے آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کیونکہ آپ کی تو دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔“ ماما جان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا اور مڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا، زونیا جو ماما جان سے ملنے آ رہی تھی جاذل کے الفاظ سن کر دروازے پہ ہی رک گئی۔

”جلدی آؤ دیر ہو رہی ہے۔“ اس سے کہتا وہ باہر نکل گیا تو زونیا نے ماما جان کی طرف دیکھا تھا جو بیڈ پہ بیٹھی زارو قطار رو رہی تھیں اسے گھر سے دور کرتے کرتے انہوں نے اپنے بیٹے کو خود سے دور کر دیا تھا انہیں اس طرح روتے دیکھ کر زونیا کے دل کو کچھ ہوا تھا جو بھی تھا بہر حال اس نے اس عورت کو ماں کہا تھا بلکہ ماں سمجھا تھا بھی تو انہیں اس طرح روتے دیکھ کر اسے بہت تکلیف محسوس ہو رہی تھی، وہ ایک ایک قدم اٹھاتی ان کے پاس آکھڑی ہوئی تھی۔

”ماما جان پلیز چپ کر جائیں روئیں نہیں ابھی انہیں تھوڑا غصہ ہے جب ان کا غصہ اترے گا تو انہوں نے یہی آنا ہے آپ کے پاس بھلا وہ

☆☆☆